Al-Basirah البصیرۃ

Volume 13, Issue 02, (Dec 2024)

Journal Home Page: https://albasirah.numl.edu.pk/

ISSN E: 2520-7334 ISSN P: 2222-4548

ابن رشد کے کلامی وسیاسی افکار اور مغربی فکر وتہذیب: ایک تحقیقی مطالعہ

A Research Study of Averroes' Theological and Political Thoughts and the Western Civilization

Dr Ahmad, Kamran Ali

Assistant Professor, Islamic Studies, Punjab University of Technology, Rasul, Mandi Bahauddin, **Email**: drche313@gmail.com

M. Phil Scholar, Islamic Studies, Minhaj University Lahore, **Email**: kamranalisultani123@gmail.com

Received: 30 July | Revised: 02 Dec | Accepted: 30 Dec | Available Online: 31 Dec

ABSTRACT

Averroes (1126 - 1198) is one of the greatest scholars in the history of Muslim thought. Lots of research has been carried out about his thoughts on theology and politics. It is said that he can bridge the dialogue between Muslim and the western civilization. His study and influence on Western political thought has been examined in this article. Averroes was in favor of religion's role in politics. He was very fond of Rashidon Caliphate. He has given a list of required attributes of a ruler for good governance. He seems to be interested in democratic values. He talked about rights, social justice and equality in society. He was of the opinion that politics and faith have links. He did not favor sectarianism. He argued his comment through the interpretations of the Divine attributes, God Almighty's knowledge, the hereafter life, in his theological thoughts. This article comes up with a comparison between Him and western theological and political thoughts. The Western theology is weak and hence it faced the challenge of atheism, while the Muslim scholarship especially Averroes has guided the West in the dark age and helped it in making new thoughts. This research suggests the theological and political thoughts of Averroes vital for the today's Muslim society.

Keywords: Divine Attributes, Eternity, Occidentalism, Rashidon Caliphate, Secularism, Social Justice.

Funding: This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors. Correspondence Author: drche313@gmail.com

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

1. تعارف:

عصر حاضر میں مغربی تہذیب عالمی سیاست پر غالب ہے۔ مسلم تہذیب عالمگیریت کے اس دور میں مسائل کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے۔ ان مسائل و مشکلات میں مغرب نے بھی حصہ ڈالا ہے۔ دونوں تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کی ضرورت ہے۔ اس سے امن عالم اور عالمگیر عدل کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ ابن رشد (1126ء تا 1198ء) نے مغرب میں فلسفہ کے مفکر اور امتِ مسلمہ میں فقیہ کے طور پر زیادہ ناموری حاصل کی۔ امتِ مسلمہ کو ابنِ رشد کے سیاسی افکار سے رہنمائی لینے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مغرب میں سیاسی مفکرین کے افکار کی روشنی میں عملی اقدامات اٹھائے گئے، لیکن مسلم تہذیب میں ان کی طرف توجہ نہ دی گئی، اور اب مغرب استاد بن کر پوری دنیا کی سیاسی رہنمائی کر رہا ہے۔ وہ عالمی اداروں کے ذریعے مسلم معاشروں میں جمہوریت اور حقوق کے مغربی تصورات کو رائج کر رہا ہے۔

مغربی تہذیب میں عقائد کی اہمیت مسلم تہذیب کی نسبت کم ہے۔ الحاد کی بڑھتی لہر نے مسیحیت کو مزید کمزور کر دیا ہے۔ ابن رشد نے اپنی تحقیقات میں چند حدود ملحوظ رکھی ہیں، جنہیں مغربی مفکرین فراموش کر گئے، اور اب دینداری مغرب میں مفقود ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ یہی روش مغرب پوری دنیا میں غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ ابن رشد کی تحقیقات آپ کے علم الکلام پر عبور کی گواہی دیتی ہیں۔ انہیں حنابلہ میں پذیرائی ملی۔ آپ کلامی و سیاسی افکار میں بھی کسی مکتبِ فکر کی پابندی نہیں ہیں۔ آپ نے اجتہادی نظر سے مسلم عقائد کا مطالعہ کیا، علمائے اسلام کے بیان کردہ عقائد کے اثرات پر روشنی ڈالی، اور اپنی رائے کا اظہار کیا۔ آپ کے چند اہم کلامی و سیاسی افکار کے عنوانات اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت، اس کی خالق ہونے، مقامِ رسالت، حقانیتِ دین، الہامی کتاب کی تفسیر اور اس کی انسانی علوم سے پرکھ، فرقہ واریت سے بیزاری، تکریمِ انسانیت، جمہوریت، احتساب، حقوقِ انسانی اور حقوقِ نسواں ہے۔ اس مضمون میں ابن رشد کے ان افکار کا مغربی تہذیب کی مختلف ادوار میں رائج فکر سے تقابل کیا گیا ہے۔

2. ادبی جائزہ:

مغرب میں ارنسٹ رینان (م 1892ء) نے 1852ء میں "Averroes et L'Averroisme" کے عنوان سے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ طبع ہوتا رہتا ہے۔ اس میں ابن رشد کے مغربی تہذیب پر اثرات کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز مغرب میں تاحال آپ پر کتب لکھی جا رہی ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

Oliver Leaman, *"Averroes and His Philosophy"*

Charles Butterworth, *"Averroës, Precursor of the Enlightenment?"*

Anke von Kügelgen, *"Averroes and Arabic Modernity: Attempts at a New Foundation of Rationalism in Islam."*

Stefan Wild, *"Islamic Enlightenment and the Paradox of Averroes."*

مغربی جدیدیت نے ذرائع علم میں عقل و حس کو ترجیح دیتے ہوئے ایمان وعقیدہ کو ذاتی معاملہ قرار دیا تھا۔ امام غزالی اور علامہ ابن رشد نے اپنے اپنے انداز سے اس مسئلے میں اثر پذیر نظریات پیش کیے تھے۔ دو قطبی نظام میں ان کا تقابلی مطالعہ بہت مقبول ہوا۔ جارج جے ٹومیہ نے جارج ٹاؤن یونیورسٹی سے 1951ء میں درج ذیل عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا:

OPEN ACCESS Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).

سابقہ کام کو مد نظر رکھتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ابن رشد کے چند سیاسی اور کلامی افکار کا مطالعہ کیا جائے اور ان کی روشنی میں مغربی فکر و تہذیب پر ایک تنقیدی نظر ڈالی جائے۔ابن رشد مسلم سماج میں گرفت میں آئے، لیکن آپ نے ان حدود سے تجاوز نہ کیا تھا، جن سے بعد میں مغرب میں اغماض کیا گیا۔ابن رشد سمجھتے تھے کہ آگے الحاد کی گہری کھائی ہے، جب کہ مغرب اس میں لڑھک گیا ہے۔اسی ضروت واہمیت کے پیش نظر یہ عنوان تحقیق کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔

3. منہج تحقیق:

اس تحقیق کا منہج بیانیہ ہے اور اس میں بالخصوص ابن رشد کے افکار کا مغرب سے تقابل بھی کیا گیا ہے۔ابن رشد نے اپنی کتب میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے استشہاد لیا ہے۔ان کے اُطراف کو مقالہ ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ابن رشد اور مغرب کے بارے میں تحقیقی مواد کے بنیادی مصادر عربی اور انگریزی زبانوں میں ہیں۔علمی سرقہ کی رپورٹ سے بچنے کی کوشش میں اور اقتباسات کی شرح کم از کم رکھنے کی وجہ سے متعلقہ مواد لیتے ہوئے اردو میں ترجمہ اور مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

4. توحیدِ باری تعالیٰ سے متعلق کلامی افکار:

ابن رشد اللہ رب العزت کی وحدانیت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔آپ بجا عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰؑ یا دیگر مخلوقات موجود نہ تھیں، تب بھی واجب الوجود اکیلا موجود تھا۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ خالق و مخلوق دونوں موجود تھے۔[1] جدید مغرب میں برتر ذات کو تسلیم کرنے کی قدیم وجوہات تلاش کی گئی ہیں۔ان میں دبدبہ، خوف اور دہشت کا عکاس شعور اہم وجہ ہے۔یہ شعور بالادستی کی حامل ذاتِ برتر کے آگے دم سادھے، کامل دست برداری مانگتا ہے۔[2] اس رائے کو مشاہدے نے استحکام دیا۔ جب اہلِ یورپ شمالی امریکہ پہنچے تو وہاں کے قبائل دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے انسانوں کی بَلی دیتے تھے۔[3]

ابن رشد کے برعکس مغرب کے نمائندہ دین مسیحیت میں ابنیتِ مسیحؑ کا عقیدہ تسلیم کیا جاتا ہے۔یسوعؑ کو خداوند کہنے کا معمول ہے۔اکثر مسیحیوں میں حضرت عیسیٰؑ کی خدا کے بیٹے کی حیثیت واضح ہے۔یہ چوتھی صدی کے فلسفیانہ اور مذہبی زمرے میں خاص طور پر روا سمجھا گیا۔عہد نامہ قدیم میں زبور کے بادشاہ کے لیے ابنیت کا استعارہ بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح آپؑ کو خدا اور انسان دونوں کے بیٹے کی تعبیر دی گئی ہے۔ قدیم دنیا میں متبنیٰ طاقت، حقوق اور حیثیت میں کمتر نہیں ہوتا تھا۔اسے شاہی اقتدار منتقل کیا جاتا تھا۔اس سے آپؑ کو عبرانی خدا کا بیٹا اور وارث ہونے میں مدد ملی، حالانکہ خدا نے آپؑ کو جنا نہیں تھا۔[4] تثلیث کے عقیدے کی رُو سے دوسرا اقنوم کنواری مریم سے پیدا ہوا۔یوں انسان کی خدا سے ساتھ صلح ہوئی، اور اس کی موت تمام انسانیت کے گناہوں کا کفارہ بنی۔اس کفارے سے پہلے حضرت آدمؑ کی خدا سے بغاوت کی روایت مشہور تھی۔اس وجہ سے تمام انسان گناہ گار طبع کے وارث بن گئے تھے۔[5] تیسرے دن یسوعؑ دوبارہ جی اٹھا اور جنت میں چلا گیا۔

1ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **تہافۃ التہافۃ**، بیروت: مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، 1998م، ص:162

2 Otto, Rudolf , *The Idea of the Holy*, New York: Oxford University Press, 1953, p. 13.

3 Frazer, James George, *The Golden Bough: A Study of Magic and Religion*, Project Gutenberg, 2003, p. 4.

4 Peppard, Michael, *The Son of God in the Roman World: Divine Sonship in Its Social and Political Context*, New York: Oxford University Press, 2011, p. 4, 31.

5رومیوں کے نام، **کتابِ مقدس**، لاہور: بائبل سوسائٹی، 2005ء، 5:12-17

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

ابن رشد حضرت مسیحؑ کی والدہ کے ذریعے پیدائش مانتے ہیں۔ یہ حضرت آدمؑ کے مماثل پیدائش ہے۔ آپ ربی امر کو اہمیت دیتے ہیں۔ یوں بات کا رخ خالقِ کائنات کی طرف چلا جاتا ہے۔ مغربی تہذیب مسیحی آرتھوڈوکس کو اپنے دائرے سے باہر سمجھتی ہے، لیکن اس کے عقائد کے تمام مسیحیت پر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق مادرِ خداوند حضرت مریمؑ بے گناہ نہیں۔ آپؑ کو جسمانی موت کا سامنا کرنا پڑا۔ پروٹسٹنٹ صرف حضرت مسیحؑ کو بے گناہ کہتے ہیں، جبکہ رومن کیتھولک ماں کی عصمت کے بھی قائل ہیں۔ حضرت مریمؑ کی واقعی جسمانی موت کے بارے میں چرچ نے ابھی تک فیصلہ نہیں کیا۔

خداوند کی حضرت مریمؑ کی گود میں پرورش ہوئی تھی، اسی لیے آرتھوڈوکس آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ آپ کا جنم دیا گیا بیٹا انسانی شکل میں خدا تھا۔ رومن کیتھولک حضرت مریمؑ کو ہمیشہ کنواری اور بے عیب تصور کرتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ کے مطابق حضرت مریمؑ ایک مقدس خاتون تھیں۔ آپؑ کو فرزندِ خدا کا حمل ہوا تھا۔ آپ کو ان تکالیف کے برداشت کرنے کے لیے منتخب کیا گیا تھا، لیکن آپ کا مستقل کنوارہ پن اور منصبِ شفاعت نہیں مانا گیا۔

مغرب کی دینی یا دنیوی فکر کی نسبت ابن رشد کی باری تعالیٰ کی وحدانیت کی فکر خالص ہے۔ آپ توحید اور مقامِ رسالت بیان کرنے میں عدل سے کام لیتے ہیں، جبکہ مغرب میں احتیاط سے کام نہ لینے کی وجہ سے انحراف اور الحاد کے رستے کھلے۔ وہاں انسان پرستی دینداری پر اس لیے بھی فائق ہوئی کیونکہ مسیحیت نے اللہ تعالیٰ کی توحید بھی بیان کی، لیکن کنواری ماں کے بطن سے پیدا ہونے والے سچے مسیحا کو معبود بھی بنایا گیا۔ اس کے باوجود وہ توحیدی دین کہلاتا ہے۔ یہ ماں بیٹا خوراک کھاتے تھے۔ عقیدے میں ایک اعلیٰ انسان خدا کے مقابل رکھا گیا، تو لادینوں نے عملی طور پر خدائی کا دعویٰ کرنے میں ہچکچاہٹ نہ دکھائی۔

5. الحاد سے متعلق کلامی افکار:

ابن رشد ملحدین اور واجب الوجود کو تسلیم نہ کرنے والے منکرین کا رد کرتے ہیں۔ وہ مصنوعات کو پہچان کر بھی ان کو مصنوع نہیں کہتے۔ اس طرح اس برتر ذات کو تسلیم کرنا پڑے گا جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے۔ اسی لیے آپ جہان کی خلقت کی صفت کی وجہ سے اللہ رب العزت کو صانع کہہ دینے میں مضائقہ نہیں سمجھتے۔ اس کی تیار کردہ مصنوعات جمہور کو صانع کی معرفت میں مدد دیتی ہیں۔ آپ شرک سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں کہ ممتنع الوجود کی موجودگی محال ہے۔[1] ابن رشد کے مطابق سردی اور گرمی بالطبع صانع ہیں، جو صرف بالترتیب ٹھنڈک اور گرمی لاتی ہیں۔ حقیقی صانع مرید و مختار ہے جو کوئی فعل کرے تو اس کے برعکس بھی کرتا ہے۔ اس اولین فاعل کو مکمل جان لینا یا دنیا میں دیکھ پانا ناممکن ہے، البتہ دوسرے جہان میں کامیابی پانے والوں کے لیے آپ دیدارِ الٰہی کو ایک انعام سمجھتے ہیں۔

ابن رشد اس ذات مبارکہ کے ارادہ تخلیق کو قدیم جبکہ تخلیق کو حدث بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ شریعت نے عوام کو اس بارے میں دعوت فکر نہیں دی اور نہ اس مسئلے کی تصریح کی ہے۔ اس لیے کونیات میں تخلیق کی الہامی ترتیب کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ آپ مانتے ہیں کہ انسان میں معنوی صفات پائی جاتی ہیں، جبکہ یہی صفات جب اللہ تعالیٰ کے لیے کہی جائیں تو کمال کی ہوتی ہیں۔ انہیں کلامِ الٰہی میں تنزیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس کی ذات سے الگ یا زائد نہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی جسمیت کے عقیدے کو عوام کے لیے بہتر سمجھتے ہیں۔[2]

---

1 ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **الکشف عن مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ**، بیروت: مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، 1998ء، ص 151۔

2 ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **فصل المقال فی تقریر ما بین الشریعۃ والحکمۃ من الاتصال**، بیروت: مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، 1997ء، ص 85، 114۔

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).

مسیحی یورپ خدا پرستی کا خوگر تھا۔ دانتے نے طربیہ خداوندی لکھی تو حضرت مسیحؑ کی شخصیت پرستی میں غلو کیا۔ اس مغربی ادب کے شہ پارے میں آپ کو نجات دہندہ دکھایا گیا ہے۔ اس کے مطابق آپؑ نے حضرات انبیاء کرام آدم، ابراہیم، داؤد علیہم السلام اور اسرائیلی ارواح کو برکت بخشی۔ چوتھے بند میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ، سقراط، افلاطون اور ابنِ رُشد، جس نے حکمتِ ارسطو کی شرح کی تھی، کو تخیلاتی جہنم میں دکھایا گیا۔ انہوں نے نیکی کی زندگی بسر کی۔ انہیں جہنم میں گناہ کی سزا نہیں مل رہی بلکہ انہیں اصطباغ نہ پانے کی وجہ سے یہاں رکھا گیا ہے۔ انیسویں بند میں معبدوں کی خرید و فروخت کی وجہ سے پوپ عذاب میں مبتلا ہے۔ بیسویں بند میں رشدی تحریک کے روحِ رواں مائیکل سکاٹ کا نچلا دھڑ لاغر اور حقیر بتایا گیا ہے۔[1]

کلیسائی اقتدار کے دوران کفر والحاد کی بیخ کنی کی جاتی تھی۔ اس کے تفتیشی ادارے کی خودسری نے یورپ بھر میں دشمن پیدا کیے۔ اعداء کو سخت سزائیں دین بیزاری کی طرف لے گئیں۔ حتیٰ کہ الحاد کو معاشرے نے گنجائش دے دی۔ مغربی تہذیب عقائد کو فرد کا ذاتی معاملہ سمجھتی ہے۔ اسے خدا پرستی یا الحاد کا عقیدہ رکھنے سے کوئی سروکار نہیں۔ مغربی تہذیب کے برعکس ابن رشد الحاد کے رد میں فوقیت رکھتے ہیں۔[2]

6. دینداری سے متعلق کلامی افکار:

ابن رشد کی نظر میں سامی ادیان اپنے زمانے کے لحاظ سے سچے تھے۔ فلسفہ کی طرح کسی بھی شخص کے لیے دین کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کے مطابق ایک فلسفی کی ذمہ داری ہے کہ اپنے دور کے تمام حقیقی ادیان کو پرکھ کر بہترین دین منتخب کرے۔ جیسے اسکندریہ میں فلسفہ لوگوں کو ہدایت دے رہا تھا، جب اسلام وہاں پہنچا تو یہ شہر مسلمان ہو گیا۔ قبل ازیں جب مسیحیت سلطنت روم میں پہنچی تو وہاں کے اہلِ علم مسیحی ہو گئے تھے۔ بنی اسرائیل میں موجود حضرت سلیمانؑ سے منسوب کتب سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بہت سے عالم دین اور مفکر تھے۔[3]

ابن رشد کے برعکس مغربی تہذیب لادینیت مائل ہے۔ وہاں تقابل ادیان کرتے ہوئے مسیحیت کے حق میں تعصبات رکھے جاتے ہیں۔ مسیحی حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے ساتھ حضرت مسیحؑ کا موازنہ کرتے ہوئے نازاں ہیں کہ حضرت یسوع مسیحؑ کی پیدائش معجزانہ طور پر صرف کنواری ماں کے بطن سے ہوئی، آپؑ کو خدا کا بیٹا ہونے کا شرف حاصل ہے، آپؑ غیر شادی شدہ رہے، یہود نے آپؑ کا انکار کیا، آپؑ نے سیاسی مقتدرہ نہ پائی، حضرت موسیٰؑ کے مقابل فرعون جیسا دشمن ڈوب گیا تھا لیکن آپؑ نے دشمن کے ہاتھوں سزائے موت پائی، طبعی موت کے بجائے آپؑ کی وفات صلیب پر ہوئی، آپؑ کا مقبرہ خالی ہے، آپؑ الوہیت کے مقام کے حامل ہیں اور صرف تیس سال کی عمر میں آپؑ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔

مغربی تہذیب نے مسیحیت کی حقانیت کے خمار میں ارضِ مقدس ہتھیانے کے لیے صلیبی جنگوں کے ذریعے لاکھ جتن کیے۔ ان کا سدِ باب ترک عثمانیوں نے کیا اور انہیں جارحانہ سے دفاعی پوزیشن پر لا کھڑا کیا۔ مسیحی تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی تقابلی خوبیاں مسیحیت میں عنقا ہیں۔ مغربی تہذیب نے دینداری کا چولا اتار پھینکا تو بہترین دین کی بیان کی گئی خوبیاں فراموش کر دیں۔ اس نے نوآبادیاتی غلامی اور پھر امریکی یک قطبی نظام میں مسلمانوں سے اپنے پرانے حساب چکائے۔ ایسے میں انہیں یہود اور

1 Dante, *Divine Comedy- Hell*, Lahore: Book Home, 2017, p. 45, 116.

2 **تہافۃ التہافۃ** لابن رشد، ص 307، 325۔ **الکشف عن مناہج الادلۃ** لابن رشد، ص 121، 126۔

3 Averroes, *The Incoherence of the Incoherence*, trans: Simon van den Bergh, London: Luzac, 1954 vol. I, p. 360.

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

مشرکین کی اشیرباد حاصل رہی۔

مغربی تہذیب کی حاکمیت کا دم بھرنے والے یورپی باشندے نئے تلاش کردہ براعظموں کا رخ کر گئے تھے۔ اب مسلمان معالجین، سائنسدان، انجینئر اور مزدور پیشہ تلاش معاش کے لیے مغرب سدھار گئے ہیں۔ مغرب دینداری میں تکثیریت اور رواداری کا دعویدار ہے، لیکن وہاں نائن الیون جیسے حیلے بہانوں سے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی نشاندہی بعض مغربی دانشور کرتے رہتے ہیں۔ دیندار ابن رشد لادینیت کا لبادہ اوڑھے مغربی تہذیب کی نسبت فراخ دل ہیں۔ آپ دینداری کے ذریعے نفسانی خواہشات اور فرعونیت کا رد کرتے ہیں۔ آپ صلیبی اور صہیونی مغرب نوازوں اور لادین عالمی طاقتوں کی صدیوں سے پشت پناہ مغربی تہذیب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ آپ کے دور میں اسلام اور مسیحیت میں برابر کا جوڑ تھا تب اسلام افریقہ میں جنوبی رخ پر اور ترکوں کے ہاتھوں شمال کی جانب بڑھ رہا تھا۔ مغربی تہذیب نے مسلمانوں کو زیر نگیں کر لیا تو اسلام اپنے بل بوتے پر انسانیت میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ ابن رشد متکلمین کو نصیحت کرتے ہیں کہ عقائد کے بیان کرتے وقت نبض شناس حکیم بن جائیں، اور مریض کے مرض کے مطابق دوا دیں۔ اس دوا کی مقدار اتنی ہی ہو جو مضر اثرات نہ لائے۔[1]

7. مقامِ رسالت سے متعلق کلامی افکار:

پیغمبرِ اسلام کی بعثت نے سامی ادیان کے سنہری دور کے اختتام پر مہر ثبت کر دی۔[2] ابن رشد کو آپ ﷺ کی معراج پر پختہ یقین ہے۔ آپ ﷺ نے خلوت میں باری تعالیٰ کو دیکھا تو پوچھنے پر نور بتایا۔ آپ ﷺ کی افضیلت، کاملیت، اکملیت اور جامعیت پر ابن رشد کو یقین ہے۔ آپ توحید باری تعالیٰ اور مقام رسالت کے عقائد بیان کرنے میں عدل اور احتیاط کا دامن نہیں چھوڑتے۔ یوں آپ مغربی تہذیب کے دینی یا لادین علمبرداروں کی نسبت کشادہ دل ہیں۔

ابن رشد کو حضرت مسیحؑ کی نبوت و رسالت پر کامل یقین ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات میں آپ کسی کو شریک نہیں سمجھتے۔ مغربی تہذیب کے ایک دین یہودیت میں آخری دونوں انبیاء حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کی جاتی ہے لیکن انبیاءؑ سمیت کسی کو رب العلمین کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرایا جاتا۔ مغرب میں حضرت مسیحؑ کے بارے میں مشرکانہ عقائد کے باوجود مسیحیت کو وحدانیت کے عقیدے کا حامل دین تصور کیا جاتا ہے۔ آرتھوڈوکس اور رومن کیتھولک کے مطابق مسیحؑ کی قربانی کے ذریعے گناہوں سے معافی ملی ہے۔ لیکن پروٹسٹنٹ میں عشائے ربانی صرف فضل کی علامت ہے۔ ابن رشد نے اسلامی عقیدے کے مطابق توہینِ رسالت کی کبھی جسارت نہیں کی، جبکہ مغرب میں یہ روح فرسا وطیرہ بن گیا ہے۔

ابن رشد رہبانیت اور تصوف کو اہمیت نہیں دیتے۔ آپ، بہر حال نیک اعمال اور راست افکار کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آپ روحانی مسرت یا عذابِ آخرت کے انجام بتاتے ہیں، اور عقیدہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ مسیحیت میں ہر آرتھوڈوکس مسیحی کا آخری مقصد خدا کے ساتھ اتحاد کا حصول سمجھا جاتا ہے۔ نجات کا عقیدہ مقدس زندگی بسر کرنے اور قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے۔ اسی کے مماثل رومن کیتھولک میں نجات فضل کے ذریعے سے ہے۔ یہ بپتسمہ اور قربانی سے ملتی ہے۔ پروٹسٹنٹ کے

---

1 تہافۃ التہافۃ لابن رشد، ص 374، 378۔ الکشف عن مناہج الادلۃ لابن رشد، ص 104، 116۔

2 John Hick, *In Contemporary Philosophy of Religion*, Oxford: Blackwell Publishing Ltd, 2004, 281.

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

مطابق نجات انسان کو خدا کا مفت اور بے حساب تحفہ ہے۔ یہ صرف مسیحؑ پر ایمان کے ذریعے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ابن رشد انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کے بارے میں قرآنی بیان پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے کہ جبریل امینؑ وحی الٰہی لاتے ہیں، اور شب قدر میں سلامتی لاتے ہیں۔ احادیث میں حدیثِ جبریل ایمانیات کی تعلیم کے لیے ہے۔ آر تھوڈوکس کا نظریہ ہے کہ روح القدس کو درخواست کرنے سے عشائے ربانی مسیحؑ کے اصل جسم اور خون میں بدل جاتا ہے۔ رومن کیتھولک کا ماننا ہے کہ ظاہری شکل ویسے ہی رہتی ہے، لیکن مادہ بدل جاتا ہے۔ پروٹسٹنٹ میں اس بارے میں مختلف قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔

ابن رشد کو حنابلہ و محدثین سے کلامی مسائل میں قربت تھی۔ آپ غیر اللہ کی نذر و نیاز اور ان کے بارے میں پائے جانے والے اعتقادات سے احتراز برتتے تھے۔ آپ بجا کہتے ہیں کہ عوام کو عقائد اس طرح بتائے جائیں کہ ان کا اسلامی عقائد پر ایمان پختہ ہو جائے، ایسی صورت نہ پیش آئے کہ لوگ دین سے بیزار ہو کر بیمار بن جائیں۔[1]

آر تھوڈوکس اور رومن کیتھولک میں روٹی اور شراب صرف چرچ کے ممبر ہی وصول کر سکتے ہیں۔ نئی پالیسی کے مطابق تمام حاضرین کو یہ دی جانے لگی ہے۔ پروٹسٹنٹ کے مطابق یہ عناصر عام طور پر تمام اہل مسیحیوں کو پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اب گرجا گھروں کی اکثریت عوام و خواص میں میل جول پیدا کرتی ہے۔ تثلیث کا تیسرا اقنوم روح القدس ہے جس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پوجا اور تسبیح کی جاتی ہے۔ باپ، اسے بیٹے کی شفاعت پر بھیجتا ہے۔ وہ باپ سے آگے بڑھ رہا ہے، لیکن اس تقدیم میں وہ باپ اور بیٹے سے جدا نہیں ہوتا۔

مسیحی روایات کے تناظر میں مغربی تہذیب کا ایک اہم مفکر فریڈرک ہیگل (1770ء تا 1831ء) روح سے مراد روح القدس لیتا ہے۔ ہیگلی دبستان مغربی تہذیب میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ جس کے دائیں بازو میں اپنے مقتداء کو لوتھر طرز پر مسیحی خدا پرست خیال کیا جاتا ہے۔ ان میں بائیں بازو کے لوگ فطرت کی ترتیب مانتے ہیں۔ فطرت کے قوانین کو انسانی ذہانت کے ذریعے جان سکتے ہیں۔ ان کے انتہاء پسند نیچریت یا مادہ پرستی میں مبتلا ہیں۔ بہت سے ہیگل اسکالرز مارکسی روایت میں پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے ہیگل کے فلسفے اور روح کے تصور میں ماورائی عنصر کا وجود نہیں مانا۔ سچائی بیان کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ جب یہ ایک دوسرے کا رد کریں تو قارئین کے تاثرات اہمیت رکھتے ہیں۔ ہیگل کے فلسفے کے مذہبی طلبہ کو سچائی کے دوہرے معیار کو تسلیم کرنا چاہیے۔ قابل قبول الٰہیات کو فلسفے سے الگ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔[2]

8. صحابیت اور ولایت سے متعلق کلامی افکار:

ابن رشد نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے دور کو بہترین دور سمجھتے ہیں۔ سلف صالحین کو مقتدا سمجھتے ہوئے آپ صحابہ کی دانش اور عدالت کے گرویدہ ہیں۔ یہ لوگ نصوص فہمی کی بدرجہا بہتر قابلیت رکھتے تھے، لیکن انہوں نے صرف بوقتِ ضرورت ہی عقائد کی وضاحت کی ہے۔ آپ عقائد اور سیاست کا تعلق بیان کرتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام کے باہمی تنازعات نے اہلِ بدعت کو سر اٹھانے کا موقع فراہم کیا۔[3]

---

1 **تہافۃ التہافۃ** لابن رشد، ص 374۔ **الکشف عن مناہج الادلۃ** لابن رشد، ص 129۔

2 Reardon,Bernard M.G.*Hegel's Philosophy of Religion*, London: Macmillan, 1977 p. 116, 136.

3 **الضروری فی اصول الفقہ** لابن رشد، ص 76، 77۔ **فصل المقال** لابن رشد، ص 124۔

OPEN ACCESS **Al Baṣīrah**, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

مغربی تہذیب کا بہترین دور حال اور مستقبل ہے۔اس میں حقیقت پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت سرمایہ دارانہ نظام کے تین ادوار اور ممتاز ثقافتی مراحل ہیں۔[1] مغرب میں آج کل کا ناقد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مابعد جدیدیت کے انتہا پسندانہ نظریات پسپائی مائل تھے کہ ہندسی حافظہ و زبان(Digitalization)اور عالمگیریت نے انہیں قریب المرگ کر دیا ہے۔[2] پس مابعد جدیدیت کے مفکرین کی بات سنیں تو لگتا ہے کہ مابعد جدیدیت نے صداقت اور جانچ پڑتال کو پس پشت ڈال دیا ہے۔[3]

ما قبل جدیدیت اکتادینے والی بچوں کی ٹرین کی مانند ہے۔اس کی گول پٹری پر منازل کی پیشینگوئی کرنا بہت آسان ہے۔[4] لادین مغرب میں ساختیات کے لحاظ سے دو مسالک پروان چڑھے۔ تشکیل اپنی شناخت کی وحدت ہے، جبکہ ردِ تشکیل میں ایک نقطہ نظر کو سچا ثابت کرتے ہوئے، دوسرے کو جھٹلانا مقصود نہیں ہوتا۔ یہ اندونی تضادات اور تناؤ کو نظر انداز کر کے تشکیل دی گئی کہانی ہے۔ یہ ہم آہنگی، تسلسل اور یکسانیت کے تاثر کو فاش کرتی ہے۔[5] اپنی فطرت میں ردِ تشکیل ایک فسطائی فلسفہ ہے۔ یہ اصلاح کی آڑ میں صورت حال کو مبہم بنا دیتی ہے۔[6]

تاریخ کسی منصوبے یا ترقی کا میکانیکی تسلسل نہیں۔ یہ اتفاقی حادثات، انتشار اور عدم تسلسل کا نتیجہ ہے۔[7] مابعد جدیدیت کا فیصلہ ہے کہ تاریخ میں معروضی سچائی کا وجود نہیں[8] یہ رواں دواں اور منظم جشن نہیں[9] یہ ایسی ساخت ہے جس میں سے معاشرتی شناخت کو مجروح کرنے والی، اور معرفت کی اجازت نہ لے سکنے والی چیزیں خارج کر دی جاتی ہیں۔[10] الغرض مغرب سلف بیزار ہے۔ وہ نئی مصنوعی روشنی کی چکاچوند میں سامری کے دجالی شعبدوں میں مسحور ہونے کو بے تاب ہے۔ اس کا علاج صرف ضربِ کلیمیؑ میں ہے۔ ابن رشد سوفسطائی اور فسطائیت سے بدظن ہیں۔

یسوع مسیحؑ کے بعد آزمائشی دور آئے۔ کلیسا اینٹی کرائسٹ ماحول کا سامنا کرتا رہا۔ یوں لوگ مسیحیت مائل ہوئے۔ اب بھی آرتھوڈوکس پاپائے روم کو بشپ کا روم مانتے ہیں۔ ان کی نظر میں اس کا مقام اور اختیارات پاپائیت کی بہتری تک غیر مؤثر ہیں۔ پروٹسٹنٹ نے اصلاح کی کوشش کی تو انہیں ویٹی کن کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اب ان کے مطابق پوپ صرف کیتھولک چرچ کا قائد ہے۔ اسے کلیسا کے لیے مجموعی طور پر بات کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ رومن کیتھولک کی نظر میں پوپ زمین پر چرچ کا دکھائی دینے والا سربراہ ہے۔ وہ سینٹ پیٹر کا روحانی جانشین ہے۔ اسے مسیحیت کی کلیدی طاقت اور چرچ کی کونسلوں سے اعلیٰ اختیار حاصل ہے۔

ابن رشد اذن الٰہی کے مطابق شفاعت کا ماثور عقیدہ رکھتے ہیں۔ مسیحیت میں اس عقیدے سے دنیوی فوائد سمیٹے گئے۔ بااختیار

---

1 Jameson, Fredric, *Postmodernism or the Cultural Logic of the late Capitalism*, London: Verso, 1991, p. 35.
2 Shepherd, Pete, “If postmodernism is over, where do we go from here?” Retrieved: Mar 13, 2020, https://www.researchgate.net
3 Ward, Glen, *Understand Postmodernism*, London: Teach Yourself, 2010, p. 77.
4 Banuman, Zygmunt, *The Politics of Postmodernism*, London: Routledge, 1992, p. 2.
5 Derrida, Jacques, *Margins of Philosophy*, Brighton: Harvester, 1982, p. 318.
6 Critchley, Simon, *Ethics of Deconstruction: Derrida and Levinas*, UK: Edinburg University Press, 1999, p. 197.
7 Foucault, Michel, *The order of discourse*, Boston: Routledge and Kegan Paul, 1981, p. 129.
8 Wood, Ellen Meiksins, *In Defense of History, Marxism and the Postmodern Agenda*, Aakar Books for South Asia, 2006, p. 187.
9 Foucault, Michel, *The Foucault Reader*, New York: Pantheon Books, 1984 p. 89, 95.
10 Appignanisi, Richard, *Introducing Postmodernism: A Graphic Guide*, Cambridge: Icon Books Ltd, 2004, p. 83.

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

لوگ روحانی تعلق سے خدا کے دوست سمجھے گئے۔ان میں سے اولیاء اپنے مؤکلوں کے طاقتور سرپرست ہیں۔اسی طرح شہداء مشکل وقت میں وفاداروں کو تحفظ اور راحت فراہم کرتے ہیں۔[1] آرتھوڈوکس رسولوں کی جانشینی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔اس کی بنیاد مسیحؑ نے رکھی تھی، اور اس کا تسلسل جاری ہے۔رومن کیتھولک بھی اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔اکثر پروٹسٹنٹ جانشینی مسترد کرتے ہیں۔وہ رسولوں کے درس و تدریس کے تسلسل پر زور دیتے ہیں۔

آرتھوڈوکس اولیاء کو مقدس لوگوں کا ایک خاص گروہ سمجھتے ہیں۔وہ خدا اور انسان کے مابین شفاعت کا کام کرسکتے ہیں۔ان سے دعائیں مانگی جاسکتی ہیں۔رومن کیتھولک ان سے اتفاق کرتے ہیں۔وہ کم از کم دو کرامات کی شرط لگاتے ہیں۔پروٹسٹنٹ کی نظر میں تمام مسیحؑ کے مقلد ولی ہیں۔صرف مسیحؑ ہی خدا اور انسان کے مابین ثالثی کرسکتا ہے۔پروٹسٹنٹ اس بارے میں مسیحیت میں محتاط عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن انہوں نے یہود سے ساز باز کررکھی ہے اور دجالیت کی راہ ہموار کرنے کی ٹھان لی ہے۔

9. مسیح الدجال سے متعلق کلامی افکار:

مغربی تہذیب کے یہودی اور مسیحی صہیونی اتحاد کا حصہ بن گئے ہیں۔انہوں نے اپنے مقاصد کے لیے سامیت دشمنی کے واویلے کا سہارا لیا ہے۔پہلے پولینڈ کا چرچ غیر متنازعہ رہ کر سامیت دشمنی کی مخالفت کرتا تھا۔پولینڈ کی کیتھولک انجمن نے انیسویں صدی کے آخر میں جڑ پکڑنا شروع کی۔اس سے کیتھولک حلقوں میں بنیاد پرست ایجنڈے داخل ہونا شروع ہوئے۔وہاں کیتھولک نظریاتی افراد نے تشدد کی مذمت کی۔وہ یہود مسیحی مثبت تعلقات کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔[2]

مابعد جدیدیت دنیا میں حقیقت اور مظہر کا شے اور نشان سے فرق کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ان مظاہر کے عقب میں مخفی ساختیں نہیں۔[3] سب سے بڑی ساخت دینداری ہے۔اسے سرد جنگ کے اس دور میں سرمایہ دارانہ نظام کی ڈھال کے طور پر استعمال کیا گیا۔مغرب یہ جنگ جیت لینے پر نئے میلینیم میں آیا۔اس میں وہ سچ اور جھوٹ کی تمیز سے عاری فتنہ لایا ہے۔مابعد جدید استدلال بروئے کار لانے سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی فطرت بار بار مذہبی بنیاد پرستی کی طرف واپس لاتی ہے۔مارکس جیسے لوگوں کے بنائے گئے لادین فلاحی تصورات پسپا ہوئے ہیں۔ان کی طرف سے جلاوطن کیا گیا مذہب کامیاب واپس آیا ہے۔اس کے رد کرنے کو جدیدیت کہنا اب دیوالیہ پن لگتا ہے۔ماقبل جدیدیت کے دور میں متعین کیے گئے نجات کے رستے درست قرار پائے ہیں۔[4]

نیا میلینیم ختم شد کا راگ الاپ رہا ہے۔اس بارے میں لوگوں کی ذہن سازی پہلے سے کردی گئی تھی۔بیسویں صدی جاتے جاتے انسان میں اندھے انکار، بغیر منزل سفر اور فضول بحث و تکرار کا نظارہ کرے گی۔جس سے وہ خودکشی اور تباہ کن ہلاکت کا ارادہ کرلے گا۔[5] تاریخ کا خاتمہ انقلابات اور جنگوں کا خاتمہ ہے۔ایسا ہونا مقاصد پر اتفاق کی صورت میں ممکن ہے۔انسان معاشی تگ و دو کرکے اپنی ضروریات کی تکمیل میں مگن ہوگا۔لڑائی سے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔وہ تاریخ کے آغاز سے پہلے کی حیوانی منزل پر پہنچ جائے گا۔مغرب میں آخری آدمی پالتو کتے کی طرح سرمایہ داری کے آزاد خیال

1 Limberis, Vasiliki M. *Architects of Piety: The Cappadocian Fathers and the Cult of the Martyrs*, New York: Oxford University Press, 2011p. 173.
2 Brian, Porter-Szűcs,*Faith and Fatherland: Catholicism, Modernity, and Poland*, New York: Oxford University Press, 2011, p. 123.
3 Baudrillard, Jean, *Simulation, Semiotext*, New York: Columbia University, 1983, p. 187.
4 Sim, Stuart ed: *The Routledge Companion to Postmodernism*, London: Routledge, 2011, p. 81.
5 Ellul, Jacques, *Betrayal of the West*, New York: The Seabury Press, 1978, p. 195.

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

نظام میں چین کی زندگی گذارے گا۔ وہ بے فکری سے پیٹ بھر کر کھانا کھائے گا، اور سردیوں کی دوپہر میں لیٹ کر دھوپ تاپے گا۔[1] خاتمہ تاریخ کا نعرہ مارنے والا یہ دانشور لواطت میں ملوث ہوا تو اسے ایڈز نے آگھیرا۔ یوں واقعی اس نے حیوانیت میں جان دی۔

ابن رشد کو دجالیت سے نفرت ہے۔ آپ دجال اکبر کی خدائی دعوے سے بیزار ہو کر بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دجال اکبر کو ایک آنکھ سے معذور بتایا تھا، نیز فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی ماثور دعاء کو عادت بنانے کی ضرورت ہے۔ ابن رشد کو نظامِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر کامل یقین ہے۔ اس کے دلائل میں آپ نے قرآنی آیت بیان کی ہے، جس میں حضرت ابراہیمؑ نے حاکم وقت کو مغرب سے سورج طلوع کرنے کا چیلنج دیا تھا۔ مغرب بظاہر خدا تعالیٰ پر یقین کا اظہار کرتا ہے، لیکن اس کے تسخیری اعمال سے لگتا ہے کہ وہ اس چیلنج کو قبول کر کے کوئی شعبدہ کرنے کا انتظام کر رہا ہے۔ مغرب کو جان لینا چاہیئے کہ مغرب سے طلوعِ آفتاب قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہے۔ اس کے بعد توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔ ابن رشد ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں جو دجالیت کی کلامی شکست کی بنیاد ہے، کیونکہ اس امت میں آنے والے تیس دجال کی قدر مشترک بتائی گئی ہے کہ

"كُلُّهم يَزْعُمُ أنه نَبِيٌّ"[2]

"ان میں سے ہر ایک نبی ہونے کا گمان کرے گا۔"

مغربی تہذیب دجالیت کی طرف اس لیے بھی راغب دکھائی دیتی ہے کہ وہ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کی پناہ گاہ ہے۔ اس کے ہاں بھی ایسے جھوٹے دعوے سے کوئی سروکار نہیں رکھا جاتا۔ فلورنس میں لبرل حکومت میں ایک متنبی اٹھا تھا۔ اس نے خود کو من عند اللہ شہر میں اصلاح کے لیے مبعوث کیے جانے کا بتایا، اور سیاسی پیش گوئی کے دوبارہ آغاز کا دعویٰ کیا۔[3] یہ الگ بات ہے کہ مغرب سچے انبیاءؑ کی عصمت کی پرواہ نہیں کرتا۔

مغرب کی کیمرے کی ایک آنکھ دجالیت کی تیاری میں مگن ہے۔ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرنے میں فراخ دل ہے۔ ڈزنی لینڈ کی پیش کردہ اساطیری امریکہ کی تصاویر حقیقی امریکی گاؤں کی نہیں ہیں، لیکن اس سے زیادہ حقیقی دکھائی دیتی ہیں۔[4] خلیجی جنگ اور نائن الیون سی این این نے ویڈیو گیم کا کھیل بنا کر لڑی، جو مغربی دماغ کی پرانی چال ہے۔ وہاں کلامی وسیاسی افکار ہم آہنگ رہے ہیں جنھیں ذرائع ابلاغ نے مزید ابھارا ہے۔ مابعد جدیدیت میں تجربے سے پہلے کے سیاسی اصول یا جواز کی گنجائش نہیں۔ حریت فکر اور آزاد دنیا میں بنیاد پرستی تنگی والی پرانی کہانی سمجھی جاتی ہے۔ اس سے نکل کر کھلی فضا میں آمد عدم کے خلا میں داخلہ نہیں۔ انصاف یا ناانصافی اور جائز یا ناجائز میں فرق صرف مخصوص روایت اور اس کی اقدار کے استعمال میں

1 Fukuyama, Francis, *The End of History and the Last Man*, London: Hamish Hamilton, 1992, p. 311.

2 الترمذي، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **السنن الترمذی**، کتاب الفتن، باب: ماجاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون، بیروت: دار احیاء التراث العربی، بدون سنة، 4:499، رقم: 2219۔

3 Polizzotto, Lorenzo, *The Elect Nation: The Savonarolan Movement in Florence 1494-1545*, Oxford, UK: Clarendon Press, 1995, p. 45.

4 Baudrillard, Jean, *Selected Writings*, ed. Mark Poster, Stanford: Stanford University Press, 1988, p. 166.

OPEN ACCESS **Al Baṣīrah**, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

ممکن ہے۔ان سے باہر کے نقطہ نظر سے ہمہ گیر فیصلے نہیں ہو سکتے۔[1]

جمہوریت، آفاقی حقوق اور آزادیوں کو تاریخی عمل نے جنم دیا ہے۔اس لیے انہیں پر اسرار قبل تجربی مسلمات بنا کر پیش نہیں کیا جاتا۔ یہ مخصوص تاریخی و سماجی صورت حال کے ترقی پسند عوامل میں سے ہے۔اسی طور پر ذرائع ابلاغ سے اس کی تشریح کرنی چاہیے۔مابعد جدیدیت کا نظریہ موضوع کو وسیع دائرے کا ایک جزو بتاتا ہے۔اسے اپنی نسل، جماعت، قومیت، علاقائیت، جنس اور عہد سے جڑی ہوئی مجبوریوں سے آگاہ ہونا چاہیے۔[2]

اسلاف بیزار مغرب نے دجالیت کی راہ ہموار کر رہی ہے۔ وہ تاریخ کو مسخ کرنے لگی ہے۔ برطانوی ماہرین آثار قدیمہ نے ایک قدیم مقبرہ میں مسیحی تدفین کی بات کی، جسے مان لیا گیا۔انگریزوں نے وہاں ایک خوبصورت باغ لگا یا تھا۔ آج بھی وہاں پروٹسٹنٹ مزارِ مقدس کے متبادل کے طور پر زیارت کو جاتے ہیں۔ عربوں کو بائبلائز کرنا گوروں کی خواہش ہے۔ عرب خواتین ایسے دکھائی دیتی ہیں جیسے حضرت راخیل اونٹوں کو پانی پلا رہی ہے، یا حضرت روت بیوہ ہو کر بھی اپنے سسرال اسرائیل کی طرف چلی آرہی ہے۔ مغرب کی شدید خواہش ہے کہ سانپ مرے تو لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔عرب اس روپ میں انہیں اس لیے دکھائی دیتے ہیں کہ انہیں یہودیوں کے ساتھ آباد ہو کر اس زمین کو بائبل کے پرانے منظر میں دوبارہ شامل کرنا مقصود ہے۔[3]

10. دینی متون کی استنادی حیثیت سے متعلق کلامی افکار:

مسیحیت کے رد میں معتزلہ نے جسمیتِ تعالیٰ سے انکار کر دیا تھا۔اپنے اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جہتِ خداوندی اور اس کی رؤیت کے بارے میں مذکور احادیث کا انکار کر دیا۔ابن رشد احادیثِ نبویہ ﷺ کے انکار کرنے والے مکاتب فکر کو گمراہ سمجھتے ہیں، جبکہ مغرب میں تحقیق کے نام پر مستشرقین نے احادیث نبویہ کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ امت مسلمہ کے اندر بھی اہلِ قرآن جیسے مکاتب فکر نمودار ہوئے ہیں۔انہوں نے حیلوں بہانوں سے انکار یا استخفافِ حدیث کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ مغرب کی نظر میں قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ کو تقدیس حاصل نہیں۔

آرتھوڈوکس کے عقیدے کے مطابق صحیفہ خدائی وحی کا ایک ذریعہ ہے۔ روایات، سنت کی تصنیف اور ابتدائی کونسلوں کے فیصلے وغیرہ بھی اس کا حصہ ہیں۔ رومن کیتھولک اس پر اضافہ کرتے ہوئے چرچ کو صحیفہ کی ترجمانی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، جبکہ پروٹسٹنٹ صرف صحیفہ کو حتمی سمجھتے ہیں۔ابن رشد تمام صحائف اور رُسُل کی تعلیمات کو برحق سمجھتے ہیں۔ان کی حفاظت کا خدائی وعدہ نہ تھا۔اس لیے آپ ان میں انسانی ملاوٹ کی موجودگی کا امکان دیکھتے ہیں۔ آپ وحی الٰہی کے طور پر قرآن کریم کی حفاظت کے قائل ہیں، اور احادیثِ نبویہ کے لیے علمائے اسلام کی کاوشوں کے قدردان بھی۔

مشرک آباؤ اجداد کے دینی عقائد کو قرآن مجید میں اساطیر الاولین کہا گیا ہے۔ جب مسیحی الہامات نورِ ہدایت کھو بیٹھے تو مغربی اذہان میں سما گیا کہ جمالیات کی ابدی اور آفاقی صداقتوں کا تصور درست نہیں۔ان سے آگاہی سب کے لیے ضروری قرار نہیں

1 Laclau, Ernesto, *Hegemony and Socialist Strategy*, London: Verso, 1985, p. 37, 79.
2 Kellner, Douglas and Steven Best, *The Postmodern Theory: Critical Interrogation*, New York: Guilford, 1991, p. 242.
3 Rogers, Stephanie Stidham, *Inventing the Holy Land: American Protestant Pilgrimage to Palestine, 1865–1941*, Lanham: Lexington Books, 2011, p. 116.

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

دی جاسکتی۔[1] قواعد وضوابط کے تابع منطقی سوچ کا اساطیر سے تعلق نہیں۔ پرانی کہانیاں ویرانوں اور منابع میں پُراسرار اعلیٰ قوت کی کارفرمائی بیان کرتی ہیں۔[2]

آرتھوڈوکس اور رومن کیتھولک کے مطابق عہد نامہ قدیم میں انتالیس اور عہد نامہ جدید میں ستائیس کتابیں قبول کی جاتی ہیں۔ کتابوں کا یہ مجموعہ اصل عبرانی بائبل میں نہیں پایا جاتا۔ پروٹسٹنٹ دینی کتب کو مسترد نہیں کرتے۔ آرتھوڈوکس کے مطابق روح القدس نے کونسلوں کے ذریعے چرچ کو سچائی کی رہنمائی کی ہے۔ پہلی سات ایکومینیکل کونسلیں (325ء تا 787ء) ناقابل تسخیر ہیں۔ رومن کیتھولک کا ماننا ہے کہ پوپ روح القدس کے ذریعے عقیدے اور اخلاقیات کے بارے میں نظریہ کی وضاحت کرتا ہے، تو پورے چرچ کو اس کا پاس رکھنا چاہیئے۔ اس کے برعکس پروٹسٹنٹ کی نظر میں تعلیم کا واحد ذریعہ بائبل کی تعلیمات ہیں۔

کلیسا کی شکست کے بعد سے دینداری اور اس کی تقدیس مغربی تہذیب کی ترجیحات میں ثانوی حیثیت پر چلی گئی ہے۔ آرتھوڈوکس بپتسمہ، کرسمس، عشائے ربانی، مقدس احکامات، مقدس غیرت، شادی اور توبہ کے اعتراف کو سات تقدس میں لیتے ہیں۔ ان سے موافقت کرنے کے بعد رومن کیتھولک کرسمس کے بجائے تصدیق کو شمار کرتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ بپتسمہ اور لارڈز ڈنر صرف دو تقدیس مانتے ہیں۔ آرتھوڈوکس کے مطابق یہ اسرار ان لوگوں پر فضل کرتے ہیں جو ان میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ رومن کیتھولک ان علامات کی تاثیر سے متفق ہیں اور کئی پروٹسٹنٹ ان مقدسات کو علامتیں، یا پہلے سے دیئے گئے فضل کی یاددہانی سمجھتے ہیں۔

11. ارتداد اور تبدیلی مذہب سے متعلق افکار:

مغرب اسلام کو تلوار سے اشاعت کا الزام دیتا ہے، لیکن ایران، عراق، مصر، تیونس اور سپین میں مسلمان اپنے اقتدار میں بھی اقلیت میں تھے۔[3] مسلم حکومتوں کے تحت ہندوستان اور صقلیہ میں مسلمان ہمیشہ اقلیت ہی رہے۔[4] بحیثیت مجموعی مسلم حکمرانوں نے اپنی سلطنت میں یہود و مسیحی عوام کو تنگ نہ کیا۔ تبدیلی دین فتح کے ایک صدی بعد ہوئیں۔[5] اسلامی تعلیمات کے مطابق ابن رشد جبری تبدیلی مذہب کے سخت مخالف ہیں۔ مغربی تہذیب نے ماقبل جدیدیت میں پاپائیت کے زیرِ اثر کھل کر کئی ممالک مسیحی بنائے، اور امریکہ کی دریافت کے بعد اسی روش کو جاری رہا۔

جدیدیت کی تحریک کے دوران بھی سرِعام یہ عمل جاری رہا۔ 1540ء سے 1760ء کے درمیان پرتگال کے مسیحی مقدس دفتر نے یہودی طریقے ختم نہ کیے۔ انہوں نے ہسپانوی تفتیش کی بنسبت خونریز ریکارڈ مرتب کیا۔ 1570ء کے بعد مسیحی محتسب نے ویلنشیا میں یہودیت چھوڑ کر، نو مسیحی موریسکو (Moriscos) پائے، جو اپنے مسیحی نام یاد نہیں کر سکتے تھے۔ ختنہ کرنے والے پیشہ ور لوگ، 1580ء کی دہائی میں وہاں کام کر رہے تھے۔[6] ایک لاکھ پندرہ ہزار یہود کی عربی اندلس کے

1 Understand Postmodernism by Glen Ward, p. 27.
2 Cassirer, Ernst, *Language and Myth*, Harper and Brothers: New York, 1946, p. 33.
3 Hourani, Albert, *A History of the Arab Peoples*, Cambridge: Belknap Press of Harvard University Press, 1991, p. 47.
4 Lewis, Bernard, *Islam and the West*, New York: Oxford University Press, 1993, p. 12.
5 Bulliet, Richard, *Conversion to Islam in the Medieval Period*, Cambridge: Harvard University Press, 1979, p. 33, 34, 37, 44, 82, 97, 109 & 124.
6 Vincent, Bernard, *Minorities in 16th century Spain*, Spain: Diputación Provincial Granada, 1987, p. 294.

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

بعد اجتماعی جلاوطنی عمل میں آئی تھی۔[1]

مغرب میں یہود مذہبی تعصبات کا نشانہ بنتے تھے۔ سولہویں صدی میں انسانیت اور اصلاح کی تحریکیوں اور بحر اوقیانوس کے ریاستی نظام کے عروج نے مسیحی یہودی روابط پر گہرا اثر ڈالا۔ قبل ازیں یہودی برادری کے دانشور جان بچانے کے لیے مذہب تبدیلی کو مردہ بھیڑوں سے بھیڑیئے کو لالچ دینا کہتے تھے۔ وہ اسے بلی کو چوہے کا جھانسہ دینے سے زیادہ مشکل امر سمجھتے تھے۔[2] یہود نے لادینیت کے فوائد سمیٹ کر اپنے مصائب کے دور کو ختم کر لیا۔ مغرب میں آج کے مسیحی ایمان کی دولت کے بغیر ہی مومن ہیں جنھیں اپنی علمی صداقت پر پختہ ایمان ہے۔[3]

مغرب میں ارتداد کی گنجائش ہے جبکہ ابن رشد اسلامی شریعت کے حتمی ہونے کی وجہ سے ارتداد کے سخت خلاف ہیں۔ آپ بجا کہتے ہیں کہ دین اسلام آخری اور سچا دین ہے جس نے تمام ادیان کی سابقہ تعلیمات کو منسوخ کر دیا ہے۔ آپ اسلام کو ایسا سچا دین سمجھتے ہیں جس میں اللہ وحدہ لا شریک کی وحدانیت پر سمجھوتا نہیں کیا جاتا۔ آپ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں موجودات اور اسباب کو مسبب الاسباب کی پہچان کا مظہر بتاتے ہیں۔ آپ متکلمین کو قرآن کریم کی روشنی میں عقائد بیان کرنے پر راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[4]

12. فلسفہ اور شریعت کا باہمی تعلق کے بارے میں افکار:

ابن رشد کے مطابق عقائد کے اثبات کے لیے دیئے گئے عقلی دلائل کو فلسفیانہ معیار پر پورا اترنا چاہیئے۔[5] اشاعرہ کے دیئے گئے عقلی دلائل سے آپ مطمئن نہیں۔ اس لیے آپ انہیں سوفسطائی وہم کا الزام دیتے ہیں۔ پہاڑوں کی ساخت کے بارے میں قرآنی بیان پر اپ کو یقین ہے کہ آندھی اور زلزلوں سے بچاؤ کے لیے یہ میخ کی طرح زمین میں گاڑے گئے ہیں۔ مغرب نے اس بیان کی جغرافیائی شہادت دی ہے۔ اسی تناظر میں ابن رشد نے قدیم نظریہ کے مطابق زمین کے سکون کی بات کی تھی، جسے مغرب تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

ابن رشد کی نظر میں ایسے فلسفی کی زیادہ فضیلت ہے جو شریعت کو فلسفیانہ انداز سے سمجھنے کی کوشش کرے۔ اس کی کامیاب کوشش کمال کی معرفت پر منتج ہوتی ہے۔ بصورتِ دیگر عقل انسانی خطاء کار ٹھہرتی ہے۔ ابن رشد کے مطابق عالم الغیب برتر ذات کا علم کسی کے علم کی طرح نہیں، کہ اس کے بارے میں کلیات یا جزئیات کا بتایا جائے۔ اسی لیے قدیم فلاسفہ کی آراء کو آپ موجبِ کفر نہیں سمجھتے۔[6]

ایک مغربی محقق آپ کی تحقیقات کے بارے میں رطب اللسان ہے کہ ایک آقا کی طرح معلم ابن رشد نے علمی فلسفے کو سنجیدگی سے لینے والوں کے لیے اعتقاد بنا دیا ہے۔ آپ نے ارسطو کے نظام کو انسانی عقل کی سب سے بڑی کامیابی قرار دیا، اور قرآن کے

1 Armstrong, Karen, *A History of God*, New York: Alfred A. Knopf, 1993, p. 165.
2 Goldberg, Jacob, *Jewish Privileges in the Polish Commonwealth*, Jerusalem: Israel Academy of Sciences and humanities, 1985, p. 58.
3 Adorno, Theodor & Horkheimer, *Dialectic of Enlightenment*, London: Verso, 1997, p. 146.
4 **تہافۃ التہافۃ** لابن رشد، ص 113۔ **الکشف عن مناہج الادلۃ** لابن رشد، ص 153، 165۔
5 **فصل المقال** لابن رشد، ص 123، 125۔ **الکشف عن مناہج الادلۃ** لابن رشد، ص 101، 152۔
6 ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **تلخیص مابعد الطبیعۃ**، تحقیق: عثمان امین، مکتبۃ البابی الحلبی، القاہرۃ، 1958م، ص 77، 130۔

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

ساتھ اس کی مطابقت پر سختی سے استدلال کیا۔[1] ابن رشد کے خیال میں شریعت اور حکمت میں اخوت اور دوستی کا تعلق ہے۔ یہ باہم متعارض نہیں بلکہ ان کی صلح پسندی میاں بیوی کی مانند ہے۔ وہ دو مختلف طبیعت، جنس اور مزاج کے ہونے کے باوجود بندھن برقرار رکھنے کی اہمیت پیش نظر رکھتے ہیں۔ آپ قدیم فلاسفہ کی تحقیقات کی عام تشہیر اور استفادہ کے حق میں نہیں، بلکہ ان کی دسترس صرف اہل برہان تک محدود دیکھنا چاہتے ہیں۔[2]

عدلِ خداوندی کے بارے میں اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے آپ احتیاط ملحوظ رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، کہ شر کو دی گئی چھوٹ اور اس سے پناہ گاہ اسی برتر ذات کی جانب سے ہے۔ ایسا عقیدہ درست نہیں کہ اچھائی اور برائی کے خالق جدا جدا ہیں۔ شریعت کی طرف سے شرک کو ظلم کہنے کی وجہ سے ابن رشد اسے ظلم کہتے ہیں۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ شریعت نافرمانی کا حکم دیتی تو وہ تب عدل ہوتا۔ اس ذات کا حکم اٹل ہے کہ وہ اپنے بندوں کے کفر سے خوش نہیں لیکن وہ کسی پر ظلم نہیں کرتی۔ آپ قادر مطلق ذات سے سب کچھ ہونے کو ممکن بتانے والوں کو محتاط کرتے ہیں، کہ ایسے میں وہ ظلم کو بھی اس سے منسوب کرنے کا عقیدہ نہ بنالیں۔[3]

مغرب میں شریعت کی بالادستی کے دور میں فلسفے کے ذمے دین کی خدمت تھی۔ تب دینی طبقہ علمی شعبے پر حاوی تھا۔ جب علمی میدان انسان دوستوں کے ہاتھ میں آیا، تو ادارہ جاتی رقابت کی وجہ سے، انہوں نے فلسفے کو دین کی سرپرستی کے بغیر پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ فلسفے نے آزاد فضاؤں میں سانس لیا تو دینداروں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہوا۔ ابن رشد کے برعکس مغرب میں فلسفے اور شریعت کو ہم آہنگ کرنے کی فکر پروان نہ چڑھ سکی۔ والٹئیر (1694ء تا 1778ء) جیسے لوگ مغربی تہذیب کے ناخدا بنے۔ وہ ذاتی طور پر خدا پر یقین رکھتا تھا، اور لادین بھی نہیں تھا لیکن پاپائیت کی شدید مخالفت کرتا تھا۔ وہ سماجی تعصب، ہٹ دھرمی اور مذہبی انتہاپسندی کے روگ سے نجات پانے کی تلقین کرتا تھا۔ روسو مغرب کا سیاسی مفکر ہے جس کے مطابق تہذیبی اقدار انسان میں ضعف، بزدلی اور بیماری پیدا کر دیتی ہیں، اور فطرت کے قریب اقوام تندرست اور پُر مسرت رہتی ہیں۔[4]

ابن رشد تہذیب کی ایسی ترقی چاہتے تھے جس میں شجاعت، تندرستی اور فیاضی کی خوبیاں عام ہوں۔ ابن رشد ترقی کے زینے طے کرتے ہوئے ماضی سے کٹنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ تمام اداروں اور شعبوں کی اعلیٰ کارکردگی کی خواہش رکھتے تھے، اور کسی انسانی تجربے کو کسی دوسرے مقصد کے لیے قربان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے دینداری اور فلسفے کو برسرپیکار نہ ہونے دیا۔ گویا آپ نے دونوں کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ اس کی وجہ سے آپ مغربی فکر سے مقدم نظر آتے ہیں۔ ہیگل نے زمانہ طالب علمی میں لکھا کہ بچہ بڑا ہو کر چھوٹے ہو جانے والے جوتے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح انقلاب کے طفیل فرانس کو انسانی روح کی طرف سے صدیوں پیچھے چھوڑ دیئے گئے اداروں سے نجات ملی۔[5]

---

1 Leaman, Oliver, *Averroes and his Philosophy*, Curzon: Richmond, 1998, p. 83.

2 **فصل المقال** لابن رشد، ص 114۔

3 **الکشف عن مناہج الادلۃ** لابن رشد، ص 207۔ **تلخیص مابعد الطبیعۃ** لابن رشد، ص 163۔

4 Clark, Kenneth, *Civilisation*, London: John Murray Pubs Ltd, 2005, p. 182, 191.

5 Stace, W. T. *Philosophy of Hegel*, Whitefish, Montana, USA: Kessinger Publishing LLC. 2010, p. 113.

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

13. عقائد میں عقلیت کی حدود سے متعلق کلامی افکار:

اسلام میں پاپائیت جیسی دینی مقتدرہ قائم نہیں ہوئی۔اس کی ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ ایسی ملائیت کی ناکامی سے لادینیت کی لہر دینی جذبے کو مٹا دیتی۔ مغرب ابن رشد کے عتاب کو مدنظر رکھ کر ایسی حکمت مزید گنواتا ہے۔ مفسرین نے محکم اور متشابہ آیات کی درجہ بندی کی ہے۔ سنی اسلام میں عقائد کی وضاحت اور تدریسی مقتدرہ کی موجودگی نہ تھی۔ان حالات نے عقل اور وحی کی برابری کے بارے میں ابن رشد کے تصور کی مشکلات رفع کی ہیں۔[1]

ابن رشد عقلیات کی تحصیل کا شرعی جواز بتاتے ہیں۔آپ کے مطابق شریعت کے تمام الفاظ کا ظاہری مفہوم لیا جا سکتا ہے، نہ تمام کی تاویل ہو سکتی ہے۔تاویل کے لیے آیات کے انتخاب میں علمائے اسلام میں اختلاف ہے۔آپ اہل تاویل کو دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں، جن میں سے فلاسفہ علمائے کلام پر فضیلت رکھتے ہیں۔آپ کی کلامی فکر مغربی کلام سے بہت بہتر ہے۔اس میں تخلیق کے وقت سے لے کر ابد تک مقام ربوبیت میں کمی نظر نہیں آتی۔[2]

ابن رشد کے مطابق عوام وخواص کی نصوص فہمی میں فرق ہے۔اس وجہ سے ان کے لیے تاویلات میں امتیاز برتنا چاہیئے۔آپ عوام کو خطابی کہتے ہیں جنہیں عقیدے اور دیگر شرعی احکام میں تاویل سے رغبت نہیں ہوتی۔اس وجہ سے ان کی ظاہر کی تعلیم کافی ہے۔آپ دلیل عنایت کو ایسا طریقہ قرار دیتے ہیں جس سے تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر سکتے ہیں۔دلیل اختراع سے مخلوقات اور ان کی عقول کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کا بلا شرکت غیرے اختیار ثابت ہوتا ہے۔[3]

تعلیم کی دو اقسام ہیں تصور اور تصدیق اور لوگوں کو تین طریقوں سے تصدیق حاصل ہوتی ہے۔تصور کا طریقہ یہ ہے کہ بذات خود کسی شے یا اس جیسی سے تصدیق کرنا۔ابن رشد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مثالیں بیان کر کے تصدیق کی دعوت دی ہے۔اس کی شرع ظاہر و باطن میں منقسم ہے۔ظاہر میں بیان کردہ مثالیں اپنے معانی بتاتی ہیں، جبکہ باطن کے معانی اہل برہان کے بغیر معلوم نہیں ہوتے۔[4]

جب مغرب میں عقلیت پسندی کی اجارہ داری تھی تو ایمانوئیل کانٹ نے اس کے آگے بند باندھا۔اس کا نظریہ علم یہ ہے کہ خالص عقلی استدلال سے خالق کائنات، انسانی ارادے کی آزادی اور اخروی زندگی کے ثبوت یا رد کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ سینٹ تھامس ایکوائنس نے الٰہیاتی دلائل دیتے ہوئے محض لایعنی حجت بازی کی ہے۔ حقیقتِ مطلقہ کی دینی یا سائنسی تحقیق مفروضات کا گورکھ دھندا ہے کیونکہ انسانی فہم حواس تک محدود ہے۔[5]

ہیگل کے مطابق کائنات ایک فکری نظام ہے جس کا اظہار مختلف افراد، اشیاء اور افکار سے ہوتا ہے۔کائنات کا جوہر عقل ہے۔اور اسی نطق اول Logos سے دنیا بنی۔ عظیم لوگ دائیہ کا کام سرانجام دیتے ہیں۔دوسروں کی بنائی گئی دیوار پر آخری پتھر رکھنا

---

1 Fakhry, Majid,‘*Philosophy and Scripture in the Theology of Averroes*’, Medieval Studies 30, 1968, p. 82.

2 **تہافۃ التہافۃ** لابن رشد، ص 223، 242۔ **فصل المقال** لابن رشد، ص 104۔

3 الکشف عن مناہج الادلۃ، ص 148۔ فصل المقال لابن رشد، ص 114، 118۔

4 **الکشف عن مناہج الادلۃ** لابن رشد، ص 119، 162۔

5 Kant, Immanuel, *Critique of Pure Reason*, Cambridge: Cambridge University Press, 2000, p. 215.

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

نابغہ روزگار لوگوں کا کام ہے۔ اس سے محراب سہارے کے بغیر کھڑا رہ کر مکمل ہو جاتا ہے۔[1]

14. فرقہ واریت سے متعلق افکار:

متکلمین نے شرعی احکام کے حقیقی معنی کی جگہ مخصوص تاویلات کیں۔ انہوں نے انہیں شارع کی مراد سمجھا۔ اس وجہ سے آپ کلامی مکاتب کو قصور وار ٹھہراتے ہیں۔ سیدنا عثمان بن عفان کے سیاسی خاندان نے قصاص کی آڑ میں قانون کو ہاتھ میں لیے لیا تھا۔ انہوں نے قاتلوں کی گروہ بندی کے جواب میں سخت ردعمل کا مطالبہ کیا۔ ابن رشد اس ماحول میں سیدنا علی المرتضیٰ کی جانب سے فساد کے خاتمے کی کاوش سے بالکل متفق ہیں۔ آپ ان قاتلوں کو فاسق متاول سمجھتے ہیں۔ جب انہوں نے چوتھے خلیفہ راشد کی اطاعت کر لی، تو ان کی شہادت قبول کی گئی۔ متکلم ابن رشد کے مطابق تمام مسلم فرقوں نے فرقہ واریت پھیلائی۔ اس وجہ سے آپ انہیں امت کے مجموعی نقصان کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ آپ اپنے عقائد سے اختلاف رکھنے والوں کی تکفیر کے خلاف ہیں، نیز ارادہ الٰہی کے متعلق اشاعرہ کی بحث کی کمزوریاں واضح کرتے ہیں۔[2]

مغربی تہذیب میں فرقہ واریت رچی بسی ہے۔ پروٹسٹنٹ ازم قرون وسطیٰ کے کیتھولک ازم کے لیے انقلابی چیلنج تھا۔ کیلون کی اصل تشویش مذہبی ترتیب سے تھی۔ کیتھولک ملک فرانس کی ظالم بادشاہت کے خلاف تیار کردہ سیاسی مزاحمت کے نظریات انقلابی تھے۔ اصلاحی پروٹسٹنٹ ازم کو حکمرانی کا ایک ایسا نظام درکار تھا، جس میں گناہ کے ہوتے ہوئے مسیحیوں کے لیے دنیا کو محفوظ بنایا جا سکے۔[3]

تحریکِ اصلاح اور ردِ اصلاح کی فرقہ واریت کی وجہ سے داخلی دشمنی کے اثرات سے نوآبادیاتی دشمنی بڑھ گئی۔ پروٹسٹنٹ اور پھر سیکولر برطانیہ کو معمولی بیرونی خطرہ تھا۔ آئرلینڈ کو اپنے اس ہمسائے سے تحفظ کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ آئرش لوگوں نے کیتھولک عقیدے پر استقامت دکھائی۔ بالآخر یہ جزیرہ مذہبی شناخت سے آزاد ہوا، اور قوم پرستی کے ایک اور شہری خیال کی طرف بڑھ گیا ہے۔ ان کے برعکس یونانی سالمیت کو ہمیشہ ترکوں سے بیرونی خطرہ رہا ہے۔ یونان نے قومی تعلق کا اخلاقی نظریہ برقرار رکھا ہے۔ اس میں قدامت پسندی اب بھی ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یونانی آرتھوڈوکس چرچ قوم پرستی کے ساتھ اپنی مضبوط وابستگی رکھتا ہے۔ اس نے معاشی اور معاشرتی جدیدیت کا مقابلہ کرنے کا نہیں سوچا۔[4]

15. انسانی مساوات سے متعلق سیاسی افکار:

ابن رشد اسلامی تعلیمات کے مطابق انسانوں کے درمیان رنگ، زبان یا نسل کی تفریق کو درست نہیں سمجھتے۔ ان امتیازات کے برعکس آپ رشد و ہدایت اور حق کی معرفت یا اس سے جاہلیت برتنے کو ارتقائی تفریق قرار دیتے ہیں۔ آپ قرآن کریم کے مطابق، حق سے بے بہرہ لوگوں کو آپ جانوروں سے بدتر سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس مغرب میں انسانی ارتقاء میں دیگر اقوام کو دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا گیا ہے۔ برتر نسل کی دعویدار یورپی اقوام اپنی سفید چمڑی اور نیلی آنکھوں کو سپرمین کی

---

1 Hegel, Georg Wilhelm Friedrich (1770-1831), *Lectures on the philosophy of History*, Editor and Publisher: Henry G. Bohn, London, 1857 (31, 13).

2 تہافۃ التہافۃ لابن رشد، ص 113۔ الکشف عن مناہج الادلۃ لابن رشد، ص 104، 116۔

3 Scott, Dixon C. *Protestants: A History from Wittenberg to Pennsylvania, 1517–1740*, Oxford: Wiley-Blackwell, 2010, p. 8, 48, 112.

4 Halikiopoulou, Daphne, *Patterns of Secularization: Church, State and Nation in Greece and the Republic of Ireland*, Aldershot: Ashgate, 2011, p. 71, 190.

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

علامت سمجھتی ہیں۔انہوں نے مسیحیت کو مذہبی تفاخر بنالیا۔انہوں نے خدااور فطرت کی طرف سے مہذب بنانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔نوآبادیاتی دور میں مسیحیت اور مغربی تہذیب ہم خیال رہے ہیں۔پوپ الیگزنڈر ششم نے یسوع مسیحؑ کے پیغام اور مغربی تہذیب کے فروغِ عام کے لیے اقدامات اٹھائے،اس نے پرتگال اور سپین کو دنیا کو بانٹ لینے کا پروانہ جاری کیا۔[1]

مغربی لوگوں کی نظر میں نیگرو بندر اور انسان کے درمیان کی،یعنی ایک کم تر مخلوق تھی۔[2] انہیں ناپید کرنے کی شعوری کوشش کی گئی۔ ویسٹ انڈیز کے جزائر آباد کرنے کے لیے افریقی غلاموں کی تجارت بہت نفع آور تھی۔اس کا ایک بڑا تاجر جان نیوٹن، پادری تھا جس کی(Amazing Grace)بہترین حمدیہ نظم کہلاتی ہے۔[3] جس کا ایک بول ہے کہ دوگنا فضل اس ذات کا ہے، جس نے میرے دل کو ڈرنا سکھایا،اور پھر میرے خوف کو دور کیا۔ وہ فضل کتنا قیمتی تھا،جب میں نے پہلی بار یقین کیا۔[4] اسی نے بعد میں غلام تجارت کے خلاف قانون سازی کے لیے راہ ہموار کی۔

مارٹن لوتھر نے فیضان اور برکات پر فرد کے روحانی تجربے کو فوقیت دی،جبکہ جان کیلون اور ژونگلی مسیحی حیات میں سیاسی و عمرانی کامرانی کو اہمیت دیتے رہے۔[5] مسیحی مصلحین کی پروٹسٹنٹ تحریک کی تاریخ سے جمہوریت،معاشی ترقی،قومی ریاست، عدم مرکزیت،اور آزاد مارکیٹ کے جدید تصورات کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔[6] مصلحین کے اقدامات سے دینی طور پر نقصان ہوا تھا۔مابعد جدیدیت میں مذہب کی طرف مراجعت اور نئی قدامت پرستی کی ضرورت محسوس کی گئی۔جدیدیت نے پروٹسٹنٹ کی اصلاحانہ اخلاقی اقدار تباہ کر دی تھیں،اور جوش و خروش میں ہوائے نفس کے تابع طرزِ زیست کو فروغ دیا۔[7]

صدر جیفرسن(1743ء تا1826ء)انسانی مساوات کے علمبردار تھے،جو امریکی جنگ آزادی کا منشور پیش کرنے کی وجہ سے قابل ستائش ہیں۔تمام انسانوں کی پیدائش میں مساوات بدیہی ہے۔ان کی زندگی،آزادی اور حصولِ مسرت کے خداداد حقوق کو کوئی بھی غصب نہیں کر سکتا۔عوامی رضا سے حکومتوں کا قیام ان حقوق کے تحفظ کے لیے ہے۔[8] یہ الگ بات ہے کہ امریکہ اقوامِ عالم سے مساوات کیسے کرتا ہے؟مابعد جدید سیاست میں سفید فام لوگوں،مردوں،دانشوروں اور مزدوروں کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر معاشرہ تشکیل پایا ہے۔اس میں صنف،رنگ و نسل اور جنسی تعلیم و تربیت کے مسائل ہیں،جو اختلافی سیاست میں آزادانہ سامنے آرہے ہیں۔[9]

---

1 Said, Edward W. *Culture and Imperialism*, London: Vintage, 1994, p. 182.
2 Ferguson, Niall, *Empire: How Britain Made the Modern World*, London: Penguin Books, 2003, p. 217.
3 Ferguson, Niall, *Empire: The Rise and Demise of the British World Order and the Lessons for Global Power*, New York: Basic Books, 2004, p. 62.
4 Newton, John, *Amazing Grace*, United States: KoDa, 1997, p. 3.
Newton, John, *Thoughts Upon the African Slave Trade*, London: Samuel Whiting and Co. p. 22.
5 Armstrong, Karen, *The Bible: The Biography*, New York: Atlantic Monthly Press, 2007, p. 165.
6 Taylor, Mark C. *After God*, Chicago: The Yniversity of Chicago Press, 2007, p. 43.
7 Bell, Daniel , *The Coming of Post-Industrial Society: A Venture in Social Forecasting*, New York: Basic Books, 1973, p. 477.
8 Rakove, Jack N. *The Annotated U.S. Constitution and Declaration of Independence*, Cambridge: Belknap Press of Harvard University Press, 2009, p. 8.
Boyd, Julian P. ed. *The Papers of Thomas Jefferson: 1760–1776*, Princeton: Princeton University Press, 1950, Vol. 1, p. 243.
9 *Ross*, Andrew, ed. *Universal Abandon: The Politics of Postmodernism*, Minneapolis: University of Minnesota Press, *1988*, p. xv.

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

روشن خیال تہذیب نے قانون اور نظم کو ایمان کا مرتبہ دے دیا ہے۔اس سے عالمی غلبے کے خناس نے مسیحائی مرتبہ پالیا ہے۔ یہ سامراجیت کے پھیلاؤ کا وسیلہ ہے۔[1] ایسے میں نتائجیت پسند وحدت انسانی سے اغماض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمام نسلوں کے باہمی اتحاد کا کوئی ایسا اصول نہیں، جو انسانیت کی نسلِ واحد پر انہیں مجتمع کر دے۔[2] مغربی ذہن غلبے کی امنگوں کے آگے رکاوٹ ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ اسی لیے اقوام متحدہ کے قیام کو اپنا بڑا کارنامہ سمجھتا ہے، لیکن اس سے عالمی مرتبے کے سیاسی و معاشی ادارے مضبوط ہوئے۔ان کے ذریعے غلامی کا ایک نیا دور سامنے آیا ہے، جس میں امتیازات اور تفریق بڑھتی جا رہی ہے۔

16. بین الاقوامی تعلقات سے متعلق افکار:

سیاسیات کے طلبہ قدیم تاریخ کو پڑھنے اور حالیہ واقعات کے مشاہدے سے جانتے ہیں کہ انسان طاقت، شان اور دولت کی خواہش کرتا ہے۔ دانشور فلسفیانہ اور انسانی فطرت کے نظریاتی تصورات پر مبنی اصولوں کا خیال پیش کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ انسانی طرز عمل کا مطالعہ کر کے چیزوں کی موثر سچائی کے پیچھے چلیں۔[3]

ذات کی تعریف اپنے سماج کے سیاق و سباق میں ممکن ہوتی ہے، جس میں یہ سیاسی ہوتی ہے، اور اس کا علم طاقت سے مربوط ہوتا ہے۔[4] سیاست اور طاقت کے سنگم سے مغربی تہذیب عالمگیریت کی راہ پر چل پڑی ہے۔ اس میں طاقت کے گھمنڈ میں ایک لائن لگا کر اعلان کیا گیا کہ، حلیف نہ بننے والے پتھر کے دور میں دھکیل دیئے جائیں گے۔تب دنیوی عیش و عشرت اور مغربی طرز زیست کے رسیا چلتی ہوا کے رخ پر چل دیئے۔

مغربی عمارات سے متاثر ہو کر پوری دنیا کی اقوام تعمیرات میں لگی ہیں۔ وہ مغربی افکار کی ساخت کو قبول کرنے کو بھی تیار ہیں۔ مابعد جدیدیت میں تشکیل اور ردِ تشکیل کا فکری تکرار جاری تھی۔ ساختیات کے نظریہ ساز سمجھتے تھے کہ بین الاقوامی طور پر یکساں سٹائل کی عمارات ایک جیومیٹری فارمولے کا سادہ تکرار ہیں۔ انہیں کہیں بھی نصب کیا جائے تو اجنبی دکھائی نہیں دیتیں۔[5]

ابن رشد جہاد فی سبیل اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، جو شریعت کے حکم کے مطابق کلمہ حق کی سربلندی کے لیے ہوتا ہے۔ آپ ملک گیری یا مالِ غنیمت کی لوٹ مار کی نیت کو غلط کہتے ہیں۔ آپ جہاد کے تمام مسنون آداب کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں، جبکہ مغرب کا طرزِ عمل دینی غلبے کی آڑ میں لوٹ مار رہا ہے۔امریکہ نوآبادیات کے حق میں نہیں رہا، کیونکہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی معیت میں مشنری ادارے ہندوستان وارد ہوئے۔ان تبلیغی اداروں کی مہم جوئی کا سب سے بڑا نشانہ برِاعظم افریقہ بنا۔ وہاں نوجوان مسیحی لڑکے اور لڑکیاں مسیحی نجات کا پیغام پہنچانے ساحلوں پر اترتے، اور سرخ بخار یا ملیریا کا شکار ہو کر مر جاتے۔[6] باقی ماندہ کن کلچر دکھاتے جواہرات کی تلاش میں مگن ہو جاتے۔

نازی نظریہ سازوں نے نطشے کے آریائی اقدار، نسل پرستی اور انسانیت کے نظریات سے خوب استفادہ کیا۔ ان کے عقب میں

---

1 Understand Postmodernism by Glen Ward, p. 8.
2 Rorty, Richard, *Consequences of Pragmatism*, Brighton: Harvester, 1982, p. 207.
3 Machiavelli, N. *The Prince*, trans. A. Codevilla, New Haven: Yale University Press, 1997, p. 57.
4 Understand Postmodernism by Glen Ward, (142).
5 Ahmad, Akbar S. *Postmodernism and Islam*, London: Routledge, 1992, p. 204.
6 Parrinder, Geoffrey, *Encountering World Religions*, New York: Bloomsbury Academic, 2001, p. 194.

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

نازی جرمنی کی ہولوکاسٹ کے گیس چیمبر کا دھواں ہے، جو بھوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔[1] اس نے اپنی کتاب "The Antichrist" میں سامیت دشمنی کے دعوے کی کھل کر مخالفت کی ہے۔ اس نے نسل پرستی میں شیر ببر کو خدائی حق دیا ہے کہ دنیا پر غلبہ پائے، اور کم تر نسلوں کو سیدھے راستے پر لگائے۔[2] شکست خوردہ جرمن وِلن کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں، جو اپنے سے کم تر اقوام کو ساری دنیا کا بادشاہ بنے دیکھ کر ان پر چڑھ دوڑے تھے۔

مابعد جدیدیت میں سوچا گیا کہ غلبے کی اندھی خواہش سے باہر نکالنے کے لیے، جدیدیت کے منصوبے میں اختراعی تبدیلیاں کی جائیں۔[3] امریکہ کی مساوات پسندی کا بھانڈا اعراق کی فیصلہ کن جنگ نے پھوڑ دیا۔ ایک لاکھ لوگ موت کی نیند سلا دیئے گئے لیکن اسے سائنس فکشن کا نام دیا گیا۔ ناول کی طرح جنگ کو امن اور جارحانہ عزائم کو سلامتی کہا گیا۔[4]

سرد جنگ اور یک قطبی نظام میں عالمی طاقتوں کی جارحانہ پالیسیوں کے خلاف اہلِ دانش تکثیریت کے نتیجے پر پہنچے۔ دوسروں سے ہونے والے رویے پر آواز بلند کرتے ہوئے مابعد جدیدیت میں موضوعیت کے اثرات نمایاں ہوئے، اور اضافیت کی جانبداری میں امتیازات، معروضیت، ماوراء نظریات اور حقیقت کی یکتائی کے تصورات سے جان چھڑانے کی ٹھانی گئی۔ اس میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ حقیقت، تکثیریت نہ اپنانے کی صورت میں بے معنی ہے۔[5]

17. لادینیت سے متعلق سیاسی افکار:

مسیحیت کی تعلیمات سیاسی اغراض کی جگہ روحانی بالیدگی کو مقصد حیات بنانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ انجیل میں عشق الٰہی کی اہمیت ہے۔ خدا کو اپنے پورے دل و جان اور دماغ سے محبت کا درس دیا گیا ہے، اور خدا کے ساتھ قیصر کی اطاعت کے دائرے میں رہنے کا بتایا گیا ہے۔[6] اس سے مسیحی علماء سمجھے کہ روحانی اور دنیوی طاقت کا ماخذ خدا کی طاقت ہے۔ چرچ کی روحانی طاقت بندوں کی روحوں سے متعلق ہے، اور بادشاہ کی سیکولر طاقت شہری فلاح و بہبود سے متعلق ہے۔ اس لیے چرچ کی بولی پر دنیوی تلوار کو صاف نہیں کرنا چاہئے۔[7]

مسیحیت میں انسانوں کا ایک فرق جسمانی اور روحانی بتایا گیا ہے۔ لوگ اپنی نیتوں کے مطابق جسمانی یا روحانی کاموں میں مگن رہتے ہیں۔ حکومتیں خدا کی طرف سے مقرر سمجھی جاتی ہیں، اس لیے مسیحیوں کو ان کی تابعداری کا حکم دیا گیا۔[8] تبلیغ کرتے ہوئے ابتدائی کوشش کی گئی کہ بادشاہ کافر ہونے کی بجائے مسیحی بن جائے۔ مسیحیت نے اپنے تشکیلی دور میں سارا زور تبلیغ پر صرف کیا اور سیاسی بکھیڑوں میں پڑنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

مسیحی احکامات کی روشنی میں عقیدہ رکھا گیا کہ خدائے واحد اس کائنات کا منصف ہے۔ وہ ہمارا پہلا اصول، نور اور اچھائی کی پہلی

---

1 Jencks, Charles, *Critical Modernism, where is Postmodernism going?* Sussex, England: Wiley Academy, 2007, p. 20.
2 Clifford, William Kingdon, *The Ethics of Belief*, London: Macmillan and Co. 1886, p. 162.
3 Adorno, Theodor, *Minima Moralia*, trans. & ed: E. F. N. Jephcott, London: Verso, 1978, p. 247.
4 Critical Modernism: Where is Postmodernism going? By Charles Jencks, p. 131.
5 Gellner, Earnest, *Postmodernism Reason and Religion*, London: Routledge, 1992, p. 24.

6 متی کی انجیل: 22:37، 21

7 Aquinas, Thomas, *On Law, Morality, and Politics*, ed. W. P. Baumgarth and R. J. Regan Hackett, Indianapolis, 2002, p. 196.

8 رومیوں کے نام: 8:5، 13:1

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

ترجیح ہے۔ مسیحیت سنبھلنے لگی تو بدلتے حالات کے مطابق بدلنے کا سبق بھی دیا گیا، کہ سچی پرہیزگاری کے ساتھ ہنر منداور اچھی زندگی گزارنے والے لوگوں کو حکومت کرنے کا فن آنا چاہیئے۔اس سے بڑھ کر انسانی معاملات میں خوش قسمتی کیا ہوگی؟ عبادات اور دعاء کرتے ہوئے انہیں خدا کی رحمت سے طاقت حاصل کرنی چاہیے۔[1]

ابن رشد اور قرون وسطیٰ کے دیگر مسلمان فلسفیوں کی نظر میں دین اسلامی ریاست کا ایک تشکیلی ذریعہ ہے۔[2] سیرتِ طیبہ سے یہی معمول مسلمانوں نے اپنایا تھا۔ابن رشد خلافتِ راشدہ کا سیاسی نظام جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے۔اس میں دین و سیاست میں جدائی نظر نہیں آتی تھی۔ مغربی تہذیب میں اس معاملے میں بڑی کھینچاتانی ہوئی، تو بالآخر مبہم تعلیمات کے مطابق کلیسا اور حکومت کو اپنے اپنے دائرے میں محدود کر دیا گیا۔ دینی نقطہ نظر سے اس عمل کے نقصانات زیادہ ہوئے، کیونکہ روحانی زندگی کے حصول کی جگہ خواہشات نفس کا اتباع معاشرے میں عام ہو گیا۔ دینی اعمال چرچ تک محدود ہوئے، لیکن لوگوں کی عدم دلچسپی کی وجہ سے ان کی قفل بندی شروع ہوئی۔ ہمارے لحاظ سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس خلاء کو دینِ اسلام نے پُر کرنا شروع کیا۔ مغرب میں نماز کے قیام کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ابن رشد حکمران کو قیام نماز کے علاوہ امامت کرانے کا کہتے ہیں۔آپ حکمرانوں کو مساجد اور جنازگاہ میں امامت کے اہل دیکھنا چاہتے ہیں، یہ فکر اور آرزو مغربی فکر پر حاوی ہے۔[3]

18. نظامِ سیاست کی تشکیل سے متعلق افکار:

سمیریوں کو دینی و سیاسی ادارہ سازی، کیلنڈر، شعر و ادب، طب و ادویہ سازی، ضابطہ قوانین اور کئی فنون کی دریافت کی وجہ سے تہذیب و تمدن کا بانی سمجھا جاتا ہے۔[4] ان کے بعد مشرق وسطیٰ میں عکادی، عموری، عیلامی، آشوریائی، اور کلدانی اقوام کے زور آور سردار اپنی اقوام کا سکہ جمانے میں کامیاب ہوئے۔ شہنشاہیت کا تاج نبوکدرضر نے سر پر سجایا۔ابن رشد مسیحیت کی جگہ اسلامی تعلیمات کو حالاتِ زمانہ کے موافق سمجھتے ہیں۔ان میں دنیوی اور دینی فلاح کی راہیں تلاش کرنے کی ترغیب ملتی ہے، اور آخرت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا خوف پیدا کیا جاتا ہے۔

ابن رشد مدینہ فاضلہ کی شکل میں پیش کی گئی تصوراتی فلاحی ریاست کی عملی تشکیل کے خواہ خواں ہیں۔آرتھوڈوکس کے ہاں زمین اور آسمان کے درمیان ایک درمیانی ریاست کو تسلیم کیا گیا ہے، لیکن پاکی اور تزکیہ اس زندگی میں ہوتا ہے، اگلی میں نہیں۔ رومن کیتھولک اسے صفائی ستھرائی اور جنت کی تیاری کی ایک ریاست کہتے ہیں، جہاں غیر منظم گناہوں کی وجہ سے سزا دی جاسکتی ہے۔ لیکن پروٹسٹنٹ مسیحؑ کی صلیب پر موت تمام گناہوں کی سزا ختم کرنے کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ابن رشد آمریت یا ملائیت کی جابرانہ حکومت اور ظلم واستبداد کے نظامِ حکومت کے مخالف ہیں۔آپ سیاسی نظام کے طور پر خلافتِ راشدہ کو یونانی تصورات کے جمہوری نظام کی نسبت معیاری سمجھتے ہیں۔[5]

---

1 Augustine, *The City of God against the Pagans*, trans. R. W. Dyson, New York: Cambridge University Press, 1998, p. 326, 225, 232.

2 Strauss, Leo, *Persecution and the Art of Writing*, Chicago: University of Chicago Press, 1988, p. 10.

3 ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد**، ترجمہ: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، لاہور: دار التذکیر، ص304، 333۔

4 Perry, Marvin, *Western Civilization*, Belmont, California: Wadsworth Publishing, 2007, Vol. 1 p. 5.

5 ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **تلخیص السیاسۃ لافلاطون**، تحقیق: حسن مجید العبیدی و فاطمہ کاظم الذھبی، بیروت: دار الطلیعۃ، 1998م، ص 124، 181۔

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

مغربی سیاسی افکار میں جین جیکوئس روسو(1712ءتا1778ء) کی اہم تصنیف(Social Contract)ہے۔اس میں بیان کردہ اصول شہریت کو اہلِ مغرب متوازن قرار دیتے ہیں۔وہ حقوق انسانی، روشن خیالی اور آزاد خیالی کا علمبردار تھا۔اس کے پیش کردہ عمرانی معاہدے کے لائحہ عمل کو انقلابِ فرانس کا پیش خیمہ سمجھا گیا ہے۔رائے عامہ کے اس بہی خواہ نے عقلیت پسندی کی اجارہ داری میں مزاحمت کی۔اس نے رومانیت پسندی، شاعرانہ مزاجی اور جوش وفروش کو بحال کیا، اور عقل اور اس کے شک میں قلب وجذبات کو فیصل ٹھہرایا۔

معاہدہ عمرانی میں فرمانروا کو رعایا پر تفوق حاصل ہے، لیکن اسے ضروریاتِ عامہ سے تجاوز نہ کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔آزادی رائے کے احترام کا یہ عالم ہے کہ رعایا اپنی رائے میں حاکم کو جوابدہ نہیں، جب تک کہ یہ آزادی جماعت پر اثر نہ ڈالے۔معاہدہ عمرانی اور قانون کا احترام قانون کے ایجابی پہلو ہیں، جبکہ رواداری نہ کرنا اس کا سلبی پہلو ہے۔قانون کے منکر کو سزائے موت تجویز کی گئی ہے۔اس میں وفادار رعایا والے معاشرتی جذبات اور احساسات ہیں۔اس کے مطابق خالص شہر کے دین کی شریعت نافذ کرنا فرمانروا کا کام ہے۔اس کی نافرمانی کسی کفر کی جگہ غیر مدنی طبع کی وجہ سے سمجھی جائے۔اس کی سزا خارج البلد کرنا رکھی جائے۔مذہب کا دائرہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے شہری کو فرائض کی ادائیگی میں خوشی ملے۔مذہبی عقائد کا جماعت یا ریاست سے تعلق نہیں۔عالم الغیب اور حشر و نشر کے متعلق سادہ عقائد کی گنجائش رکھی گئی ہے۔یہ یاددہانی ضروری سمجھی گئی ہے کہ حقوق العباد اس طرح ادا کیے جائیں کہ ان سے اخلاق اور فرائض پر اثر نہ پڑے۔اچھے شہری بننے پر زور دیا گیا، جس کے لیے آخرت سے تعلق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔[1]

ابن رشد مغربی افکار کی بجائے زیادہ متوازن آراء رکھتے ہیں۔آپ حکمران کو معتدل رہنے اور معاشرتی عدل کے قیام کے لیے متحرک دیکھنا چاہتے ہیں۔آپ اختیارات کی بلدیاتی سطح پر تقسیم چاہتے ہیں، جس سے آپ عوامی بہبود میں مدد ملنے کی امید رکھتے ہیں۔آپ نے قاضی کے طور پر اسلامی شریعت کے نگہبانی کے فرائض سنبھالے رکھے، اور مجتہدین کی تربیت کے لیے تالیفات رقم کیں۔آپ نے آزادی رائے کے احترام کا سبق سکھایا، لیکن حقوق العباد فراموش نہ کرنے کی تلقین کی۔آپ مسلح افواج کو سلطان کے ماتحت دیکھنا چاہتے ہیں، جو تب ممکن ہے جب وہ خود کو خلافت کا نظام چلانے کا اہل ثابت کرے۔وہ عقائد کے تحفظ اور شہری معاملات میں منتظم ہونے کے ساتھ قوتِ ارادی کا حامل ہو۔آپ دینداری کی افادیت تسلیم کرتے ہیں، اور آخرت کے عقیدے کو دنیا میں اچھا شہری بننے کے لیے بہتر سمجھتے ہیں۔[2]

19. حقوقِ انسانی اور حقوقِ نسواں سے متعلق افکار:

ایڈورڈ سعید کے استشراق کے بارے میں خیالات انسان دوستی کی تاریخ کا روشن رخ ہیں۔ان سے پتہ چلتا ہے کہ مشرق کو پراسرار، باطنی اور صوفیانہ دیکھنا مغربی خواہش ہے، تاکہ وہ خود کو شفاف، واضح، عملی اور آئینہ دار دیکھے۔[3] دوسروں کو مورد الزام ٹھہرا کر اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی مغربی تہذیب اور اس کے قائم کیے گئے عالمی اداروں میں انسانی حقوق کا بہت پرچار کیا

1 روسو، ژاں ژاک، **معاہدہء عمرانی**، مترجم ڈاکٹر محمود حسین، لاہور: بک ہوم، 2003ء، ص211۔

Rousseau, Jean-Jacques, *The Social Contract*, trans: H J Tozer, Swan Sonnenschein & Co. 1895, p. 124.

2 **تلخیص السیاسۃ** لابن رشد، ص124، 181۔

3 Said, Edward W. *Orientalism*, New York: Vintage, 1979, p. 13.

OPEN ACCESS **Al Baṣīrah**, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات، اسوہ حسنہ اور خاص کر آپ ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع احترام آدمیت کا مینارہ نور ہے۔ مغرب ناصحانہ انداز سے ہمیں جدیدیت کے دور میں لانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسے مسلمانوں میں حقوق نسواں کے سامعین اور حامیوں کی تعداد بڑھنے کی امید ہے۔ مغرب کے مطابق اب نئے تجسس سے ماقبل جدید اسلامی فکر کی طرف پلٹ کر غور کرنا چاہئے۔ ابن رشد کی جمہوریہ کی تفسیر ایک مثال ہے، جہاں سے اس طرح کی بات چیت کا آغاز ہو سکتا ہے۔[1]

پروٹسٹنٹ نئی دنیا کی تلاش میں مگن یورپی طالع آزماؤں کی بداعمالی کو فرقہ وارانہ رنگ دیتے ہیں۔ وہ اصل میں اپنے عالمی اقتدار کے جواز کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کے مطابق کیتھولک حکام نے کالوں کو فطری غلام سمجھا۔ ان میں سے جنہوں نے غلامی قبول کی، ان کی اچھی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ غلامی کی اخلاقی و قانونی حیثیت کے لئے بائبل سے اخذ کردہ مذہبی دلائل برقرار رکھے گئے۔ غلاموں کو بشارات سے سرفراز کیا گیا۔[2] خود مغربی تہذیب کا یہ غالب فرقہ لادینیت پھیلا رہا ہے۔ اس کے حکمران نام لیے بغیر انسانوں کو غلامی کے پنجے میں جکڑنے کی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں۔

ابن رشد نے اپنے دور کے حالات میں حقوق اور آزادی میں بہتری کی پرخلوص کاوشیں کیں۔ تب خواتین کی زندگی کا مقصد بچوں کی ولادت، رضاعت، پرورش اور تربیت سمجھا جاتا تھا۔ آپ جنسی تفریق کے بغیر فرد کو معاشرتی ذمہ داریاں سونپنے کے حق میں تھے، تاکہ ان کے اداء کرنے میں خواتین کی قابلیت سامنے آئے۔ آپ خواتین کی افواج میں شمولیت، فوجی تربیت، کمانڈنگ پوزیشن اور جنگ کے میدان میں لڑنے کے لیے مواقع دینے کے حق میں ہیں، کیونکہ آپ ان میں یہ صلاحیتیں موجود پاتے ہیں۔ آپ کی خواہش تھی کہ برابر مواقع مہیا کرنے سے وہ اپنا انتخاب درست ثابت کر سکتی ہیں۔ آپ عورتوں کی جسمانی اور ذہنی قوت پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ انہیں مردوں کی طرح قابلیت ظاہر کرنے کا موقع دینا چاہتے تھے، کیونکہ آپ کے بقول انہوں نے موسیقی کے شعبوں میں موقع ملنے پر مردوں سے بہتر کارکردگی دکھائی تھی۔[3]

ابن رشد کی چند باتیں قبل از وقت تھیں جن کی سمجھ لوگوں کو دیر سے آئی۔ آپ اپنے آزاد منش افکار کی وجہ سے عتاب کا نشانہ بنے۔ کسی کو یہودی ایجنٹ کہنا مسلمانوں میں ایک پرانا سیاسی حربہ رہا ہے۔ خلیفہ کے روبرو مشہور مقدمے میں آپ کے کنبہ کی پوچھ گچھ کی بات بھی ہوئی۔ اگر بنو رشد غیر عرب یہودی تھے تو یہ معاشرے اور اور مذہبی موقف کے لیے غیر متوقع خطرہ تھا۔ اس خاندان کی دینی خدمات کسی سے پوشیدہ نہ تھیں اس لیے بات آئی گئی ہوگئی، لیکن آپ کو لوسینا میں نظر بند کرنے کی سزا معنی خیز ہے۔ یہ قصبہ قرطبہ سے ساٹھ کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ اس میں یہودی آبادی کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اسی شہرت کی وجہ سے پورے دیس میں اسے یہودیوں کا لوسینا کہا جاتا تھا۔ وہاں غیر یہودی مضافات میں آباد تھے۔[4] قصہ مختصر یہ ہے کہ ابن رشد کی سیاسی تحریریں صاف ستھری سیاست کے فروغ کا سبب بن سکتی ہیں۔[5]

---

1 Taylor, Reed, "*Bodies and Contexts: An Investigation into a Postmodern Feminist Reading of Averroës*", in Journal of Feminist Scholarship, University of Arkansas, Little Rock, 10, Spring 2016, p. 58.

2 Woods,James M. *A History of the Catholic Church in the American South, 1513– 1900*, Gainesville: University Press of Florida, 2011, p. 133, 225.

3 **تلخیص السیاسۃ** لابن رشد، ص54، 181۔

4 Serrano, Delfina, "*Judaism, forced conversions and the genealogy of the Banu Rushd*," in Journal of Medieval Iberian Studies, 2/2 2010, p. 229.

5 **تلخیص السیاسۃ** لابن رشد، ص124، 181۔

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

20. خلاصۃ:

مضمون ہذا میں ابن رشد کے کلامی و سیاسی افکار کا مغربی فکر و تہذیب سے تقابل کیا گیا ہے۔ توحیدِ باری تعالیٰ، الحاد کے کلی رد، دینداری کی افادیت، مقامِ رسالت، صحابیت اور ولایت کی فضیلت اور دجالیت کے رد جیسے امور میں ابن رشد کی فکر میں مکمل یکسوئی ہے۔ مغرب آپ کی نسبت مندرجہ بالا امور میں دلچسپی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ وہاں فرد پر ان عقائد پر کاربند رہنے یا نہ رہنے کا دباؤ نہیں ڈالا جاتا، اور سب کچھ اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ابن رشد انکار و استخفافِ حدیث کے رد میں پیش پیش ہیں۔ آپ ارتداد اور تبدیلی مذہب کے بارے میں دینی و شرعی نقطہ نظر پر کاربند ہیں، لیکن مغرب میں فرد کے ان فیصلوں کے بارے میں دخل اندازی نہیں کی جاتی۔

ابن رشد فلسفہ اور شریعت کے باہمی تعلق میں دوستی کا عنصر تلاش کرتے ہیں جبکہ فرقہ واریت سے اجتناب کے لیے عقائد میں عقلیت پسندی کو محدود رکھتے ہیں۔ آپ انسانی مساوات، بین الاقوامی سیاسی عزائم، دین و سیاست کے باہمی تعلق، نظامِ سیاست کی تشکیل، حقوقِ انسانی اور حقوق نسواں میں دین کے کردار کو فراموش نہیں کرتے، جبکہ مغرب میں یہ امور لادینی ہیں۔ مغرب کا تمام امور میں اپنی تہذیب پر یقین میں اصرار ہے، گویا مغربی تہذیب دین کو بدنام کر کے خود ایک دین بن گئی ہے۔

21. سفارشات:

اس تحقیق کے بعد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ سرکاری سطح پر اور جامعات میں استغراب کی اسلامی تناظر میں حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس کے علاوہ چند تجاویز ذہن میں آئی ہیں:

- ابن رشد کے یونانی مطالعہ کا عصر حاضر کے متجددین کے مغربی مطالعہ سے تقابل کیا جائے۔
- ابن رشد کے سیاسی افکار کی روشنی میں امت مسلمہ میں رائج مغربی سیاست کی فکری تطہیر اور تعمیر کی جائے۔ اس مقصد کے لیے نکولو میکاؤلی کے سیاسی افکار کو ابن رشد کی فکر کی روشنی میں پرکھا جائے۔
- ابن رشد اور آیت اللہ خمینی کے سیاسی افکار کے مطالعہ کیا جائے۔ ان کی مدد سے اسلامی سیاسی نظام کی تشکیل کی فکری کاوش کی جائے۔
- سلمان رشدی جیسے لوگ ابن رشد کی وراثت کے غلط دعویدار ہیں۔ حقیقت حال کے لیے آپ کی تحقیق اصل مصادر کی روشنی میں روشناس کی جائے۔

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

22. کتابیات:

1. ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **الضروری فی اصول الفقہ**، تقدیم وتحقیق: جمال الدین العلوی، بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1994م۔
2. ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **الکشف عن مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ**، بیروت: مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، 1998ء۔
3. ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد**، ترجمہ: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، لاہور: دار التذکیر۔
4. ابن رشد، محمد بن احمد، ابو الولید، **تلخیص السیاسۃ لافلاطون**، تحقق: حسن مجید العبیدی و فاطمۃ کاظم الذھبی، بیروت: دار الطلیعۃ، 1998م۔
5. ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **تلخیص مابعد الطبیعۃ**، تحقیق: عثمان امین، مکتبۃ البابی الحلبی، القاھرۃ، 1958م۔
6. ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، **تہافتۃ التافۃ**، بیروت: مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، 1998م۔
7. ابن رشد، محمد بن احمد، ابو الولید، **فصل المقال فی تقریر ما بین الشریعۃ والحکمۃ من الاتصال**، بیروت: مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، 1997ء۔
8. الترمذي، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **السنن الترمذی**، کتاب الفتن، باب: ماجاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، بیروت: دار احیاء التراث العربی۔
9. روسو، ژاں ژاک، **معاہدہء عمرانی**، مترجم ڈاکٹر محمود حسین، لاہور: بک ہوم، 2003ء۔
10. **کتابِ مقدس**، لاہور: بائبل سوسائٹی، 2005ء۔
11. Adorno, Theodor & Horkheimer, *Dialectic of Enlightenment*, London: Verso, 1997.
12. Adorno, Theodor, *Minima Moralia*, trans. & ed: E. F. N. Jephcott, London: Verso, 1978.
13. Ahmad, Akbar S. *Postmodernism and Islam*, London: Routledge, 1992.
14. Appignanisi, Richard, *Introducing Postmodernism: A Graphic Guide*, Cambridge: Icon Books Ltd, 2004.
15. Aquinas, Thomas, *On Law, Morality, and Politics*, ed. W. P. Baumgarth and R. J. Regan Hackett, Indianapolis, 2002.
16. Armstrong, Karen, *A History of God*, New York: Alfred A. Knopf, 1993.
17. Armstrong, Karen, *The Bible: The Biography*, New York: Atlantic Monthly Press, 2007.
18. Augustine, *The City of God against the Pagans*, trans. R. W. Dyson, New York: Cambridge University Press, 1998.
19. Averroes, *The Incoherence of the Incoherence*, trans: Simon van den Bergh, London: Luzac, 1954.
20. Banuman, Zygmunt, *The Politics of Postmodernism*, London: Routledge, 1992.
21. Baudrillard, Jean, *Selected Writings*, ed. Mark Poster, Stanford: Stanford University Press, 1988.
22. Baudrillard, Jean, *Simulation, Semiotext*, New York: Columbia University, 1983.
23. Bell, Daniel , *The Coming of Post-Industrial Society: A Venture in Social Forecasting*, New York: Basic Books, 1973.
24. Boyd, Julian P. ed. *The Papers of Thomas Jefferson: 1760–1776*, Princeton: Princeton University Press, 1950.
25. Brian, Porter-Szűcs, *Faith and Fatherland: Catholicism, Modernity, and Poland*, New York: Oxford University Press, 2011.
26. Bulliet, Richard, *Conversion to Islam in the Medieval Period*, Cambridge: Harvard University Press, 1979.
27. Cassirer, Ernst, *Language and Myth*, Harper and Brothers: New York, 1946.
28. Clark, Kenneth, *Civilisation*, London: John Murray Pubs Ltd, 2005.
29. Clifford, William Kingdon, *The Ethics of Belief*, London: Macmillan and Co. 1886.
30. Critchley, Simon, *Ethics of Deconstruction: Derrida and Levinas*, UK: Edinburg University Press, 1999.
31. Dante, *Divine Comedy- Hell*, Lahore: Book Home, 2017.
32. Derrida, Jacques, *Margins of Philosophy*, Brighton: Harvester, 1982.
33. Ellul, Jacques, *Betrayal of the West*, New York: The Seabury Press, 1978.
34. Fakhry, Majid,‘*Philosophy and Scripture in the Theology of Averroes*’, Medieval Studies 30, 1968.

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

35. Ferguson, Niall, *Empire: How Britain Made the Modern World*, London: Penguin Books, 2003.
36. Ferguson, Niall, *Empire: The Rise and Demise of the British World Order and the Lessons for Global Power*, New York: Basic Books, 2004.
37. Foucault, Michel, *The Foucault Reader*, New York: Pantheon Books, 1984.
38. Foucault, Michel, *The order of discourse*, Boston: Routledge and Kegan Paul, 1981.
39. Frazer, James George, *The Golden Bough: A Study of Magic and Religion*, Project Gutenberg, 2003.
40. Fukuyama, Francis, *The End of History and the Last Man*, London: Hamish Hamilton, 1992.
41. Gellner, Earnest, *Postmodernism Reason and Religion*, London: Routledge, 1992.
42. Goldberg, Jacob, *Jewish Privileges in the Polish Commonwealth*, Jerusalem: Israel Academy of Sciences and humanities, 1985.
43. Halikiopoulou, Daphne, *Patterns of Secularization: Church, State and Nation in Greece and the Republic of Ireland*, Aldershot: Ashgate, 2011.
44. Hegel, Georg Wilhelm Friedrich (1770-1831), *Lectures on the philosophy of History*, Editor and Publisher: Henry G. Bohn, London, 1857.
45. Hourani, Albert, *A History of the Arab Peoples*, Cambridge: Belknap Press of Harvard University Press, 1991.
46. Jameson, Fredric, *Postmodernism or the Cultural Logic of the late Capitalism*, London: Verso, 1991.
47. Jencks, Charles, *Critical Modernism, where is Postmodernism going?* Sussex, England: Wiley Academy, 2007.
48. John Hick, *In Contemporary Philosophy of Religion*, Oxford: Blackwell Publishing Ltd, 2004.
49. Kant, Immanuel, *Critique of Pure Reason*, Cambridge: Cambridge University Press, 2000.
50. Kellner, Douglas and Steven Best, *The Postmodern Theory: Critical Interrogation*, New York: Guilford, 1991.
51. Laclau, Ernesto, *Hegemony and Socialist Strategy*, London: Verso, 1985.
52. Leaman, Oliver, *Averroes and his Philosophy*, Curzon: Richmond, 1998.
53. Lewis, Bernard, *Islam and the West*, New York: Oxford University Press, 1993.
54. Limberis, Vasiliki M. *Architects of Piety: The Cappadocian Fathers and the Cult of the Martyrs*, New York: Oxford University Press, 2011.
55. Machiavelli, N. *The Prince*, trans. A. Codevilla, New Haven: Yale University Press, 1997.
56. Newton, John, *Amazing Grace*, United States: KoDa, 1997.
57. Newton, John, *Thoughts Upon the African Slave Trade*, London: Samuel Whiting and Co.
58. Otto, Rudolf, *The Idea of the Holy*, New York: Oxford University Press, 1953, p. 13.
59. Parrinder, Geoffrey, *Encountering World Religions*, New York: Bloomsbury Academic, 2001.
60. Peppard, Michael, *The Son of God in the Roman World: Divine Sonship in Its Social and Political Context*, New York: Oxford University Press, 2011.
61. Perry, Marvin, *Western Civilization*, Belmont, California: Wadsworth Publishing, 2007.
62. Polizzotto, Lorenzo, *The Elect Nation: The Savonarolan Movement in Florence 1494-1545*, Oxford, UK: Clarendon Press, 1995.
63. Rakove, Jack N. *The Annotated U.S. Constitution and Declaration of Independence*, Cambridge: Belknap Press of Harvard University Press, 2009.
64. Reardon, Bernard M.G. *Hegel's Philosophy of Religion*, London: Macmillan, 1977.
65. Rogers, Stephanie Stidham, *Inventing the Holy Land: American Protestant Pilgrimage to Palestine, 1865–1941*, Lanham: Lexington Books, 2011.
66. Rorty, Richard, *Consequences of Pragmatism*, Brighton: Harvester, 1982.
67. Ross, Andrew, ed. *Universal Abandon: The* Politics *of Postmodernism*, Minneapolis: University of Minnesota Press, 1988.
68. Rousseau, Jean-Jacques, *The Social Contract*, trans: H J Tozer, Swan Sonnenschein & Co. 1895.
69. Said, Edward W. *Culture and Imperialism*, London: Vintage, 1994.
70. Said, Edward W. *Orientalism*, New York: Vintage, 1979.
71. Scott, Dixon C. *Protestants: A History from Wittenberg to Pennsylvania, 1517–1740*, Oxford: Wiley-Blackwell, 2010.
72. Serrano, Delfina, "*Judaism, forced conversions and the genealogy of the Banu Rushd*," in Journal of Medieval Iberian Studies, 2/2 2010.

Al Baṣīrah, Department of Islamic Thought and Culture, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**

73. Shepherd, Pete, “If postmodernism is over, where do we go from here?” Retrieved: Mar 13, 2020, https://www.researchgate.net
74. Sim, Stuart ed: *The Routledge Companion to Postmodernism*, London: Routledge, 2011.
75. Stace, W. T. *Philosophy of Hegel*, Whitefish, Montana, USA: Kessinger Publishing LLC. 2010.
76. Strauss, Leo, *Persecution and the Art of Writing*, Chicago: University of Chicago Press, 1988.
77. Taylor, Mark C. *After God*, Chicago: The Yniversity of Chicago Press, 2007.
78. Taylor, Reed, “*Bodies and Contexts: An Investigation into a Postmodern Feminist Reading of Averroës*”, in Journal of Feminist Scholarship, University of Arkansas, Little Rock, 10, Spring 2016.
79. Vincent, Bernard, *Minorities in 16th century Spain*, Spain: Diputación Provincial Granada, 1987.
80. Ward, Glen, *Understand Postmodernism*, London: Teach Yourself, 2010.
81. Wood, Ellen Meiksins, *In Defense of History, Marxism and the Postmodern Agenda*, Aakar Books for South Asia, 2006.
82. Woods, James M. *A History of the Catholic Church in the American South, 1513– 1900*, Gainesville: University Press of Florida, 2011.

This Work is licensed under a **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0).**